اسلامیانِ ہند کے مسائل

علیگڑھ سمینار ۱۹۸۶ء کے مقالات/روداد

خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ

Marfat.com

اسلامیانِ ہند کے مسائل

علیگڑھ سمینار ۱۹۸۶ء کے مقالات/روداد

خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ

Marfat.com

تقسیم کار : مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۲۵

صدر دفتر :

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۲۵

شاخیں :

135721

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، اردو بازار، دہلی۔ ۱۱۰۰۰۶

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، پرنس بلڈنگ، بمبئی۔ ۴۰۰۰۰۳

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، یونیورسٹی مارکیٹ، علیگڑھ۔ ۲۰۲۰۰۲

اشاعت : ۱۹۹۵ء

قیمت : پچاس ۵۰ روپے

پاکیزہ آفسیٹ، شاہ گنج، محمد پور روڈ، پٹنہ۔ ۶ میں طبع ہوئی۔

Marfat.com

حرفِ چند

سید حامد صاحب کی کتاب "ہندستانی مسلمانوں کے مسائل" خدا بخش لائبریری نے ۱۹۸۶ء میں شائع کی تو علی گڑھ میں سید ہاشم علی صاحب کا دور تھا۔ یہ طے ہوا کہ کتابوں کی رونمائی کی رسم تو اب پرانی ہوئی کتاب کے موضوع پر گفتگو اصل چیز ہے۔ چنانچہ جو اس کتاب کا موضوع تھا اس پر تو مقالات پڑھے ہی گئے اور بحث بھی ہوئی، ساتھ ہی کچھ لوگ ذاتیات پر اتر آئے یعنی سید حامد صاحب کے بارے میں بھی کچھ مقالات پڑھے گئے۔

ہم نے مناسب سمجھا کہ ان کو دو الگ الگ حصوں میں پیش کیا جائے۔ ایک حصّہ خالص سید حامد صاحب کے بارے میں، اور دوسرا حصّہ ان کے موضوعِ سخن اسلامیانِ ہند کے بارے میں۔

دوسرا حصہ "اسلامیانِ ہند کے مسائل" حاضر ہے۔ پہلا حصّہ "سید حامد اور اسلامیانِ ہند پر ان کے افکار" آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

ـــــــ ع ۔ ر ۔ ب

Marfat.com

Marfat.com

فہرست

مقالات:

○ جناب سید ہاشم علی ۵

○ جناب سید حامد ۱۰

○ (سر جن) نسیم انصاری ۱۷

○ سری کنور پال سنگھ ۱۲

○ ڈاکٹر منظہر علوی ۲۶

○ ڈاکٹر اقبال احمد انصاری ۲۷

○ ڈاکٹر محمد حسن ۳۲

○ جناب سید حامد ۳۸

روداد:

سید حامد کی کتاب "علی گڑھ تحریک" کا رسم اجرا ۴۷

Marfat.com

جناب سید ہاشم علی

سابق وائس چانسلر، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

میری دانست میں مسلمانوں کا مسئلہ وہ نہیں ہے جو ہمارے لیڈر کہتے ہیں، ہمارا مسئلہ غربت کا ہے۔ مسلمان جو آخری پاورٹی لائن پر ہیں۔ اسکا Per centage ہندستان کے عام عوام کے پرسنٹیج سے زیادہ ہے۔ ہمارا مسئلہ جہالت کا مسئلہ ہے۔ لیڈروں کا ILLITERACY RATE بہت اونچا ہے، ہمارا مسئلہ ہمارے مسلم لیڈروں کے ذہنی دیوالیہ پن کا مسئلہ ہے،
________ ہمارے لیڈروں کی غیر دوراندیشانہ پالیسیاں ہمارا سب سے بڑا مسئلہ بن گئی ہیں۔ اور پھر ہمارے قومی لیڈروں کی HYPOCRACY کا مسئلہ ہے جو بولتے کچھ ہیں اور کرتے ہیں کچھ۔۔۔ وہ لوگ جو سیکولرزم پر بڑی تقریریں کرتے ہیں وہ اپنے دفتر میں جا کے ناانصافی کرتے ہیں تو یہ مسئلہ بہت بڑا مسئلہ ہے اور اس کے اوپر ہم لوگوں کو سوچنا ہے، ہندوؤں کو بھی سوچنا ہے مسلمانوں کو بھی سوچنا ہے۔ اس لیے کہ اگر اس ملک میں بارہ کروڑ آدمی پیچھے رہ جائیں تو یہ معاشی INEQUALITY کا جو مسئلہ ہے وہ قوم کے لیے اتنا بڑا مسئلہ بن سکتا ہے کہ پھر اس کا علاج شاید ممکن نہ ہو سکے۔

ابھی ہم دیکھ رہے ہیں کہ کتنا خلفشار ہے، کتنا بڑا LAW & ORDER کا فقدان ہے، اور حکومت چھوٹے چھوٹے ایریاز AREAS میں جہاں LAW & ORDER ختم ہو گیا ہے اس سے نپٹ نہیں سکتی۔ بہت دن پہلے میں نے TIME میگزین میں ایک بہت اچھا جملہ پڑھا تھا کہ THE MOST DANGEROUS CREATION OF THE SOCIETY IS THE MAN WHO HAS NOTHING TO LOSE.

اس لیے کہ، جو کوئی آدمی کہے کہ میرا اور کیا جائے گا تو پھر وہ FANATIC ہو جاتا ہے، وہ TERRORIST ہو سکتا ہے، وہ قوم کے لیے اور ملک کے لیے ایک بہت بڑا خطرہ ہو سکتا ہے تو ہماری قومی لیڈرشپ چاہے وہ کسی پارٹی کی ہو چاہے وہ اپنے آپ کو سیکولر پارٹی کہے یا غیر سیکولر، ان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ ڈویلپمنٹ ناقابل تقسیم ہے، ترقی ناقابل تقسیم ہے PROGRESS INDIVISIBLE۔ اور اگر قوم میں ایسے لوگ رہ جائیں، بڑی تعداد میں، بارہ کروڑ آدمی، شاید دنیا میں بڑے بڑے ملکوں کی بھی آبادی اتنی نہیں ________ اور بہت سے ایسے ملک ہیں جن کی آبادی ہندوستان کے ضلعوں کے برابر بھی نہیں، تو اگر یہ پیچھے رہ جائیں چاہے وہ حکومت کی غفلت

Marfat.com

کی وجہ سے ہو، — اس کی اپنی پالیسی کی وجہ سے ہو یا ہماری بیوقوفیوں کی وجہ سے ہو یا ہماری کاہلی اور جہالت کی وجہ سے ہو، جب ایک بڑا طبقہ، ایک بڑی تعداد ملک میں ایسے لوگوں کی ہو جائے گی کہ NOTHING TO LOSE تو REALLY THIS COUNTRY WILL BE IN DANGER ایک مسئلہ ہے MAJORITY COMMUNITY سے اچھے تعلقات قائم کرنا، لیکن شاید ہی کوئی مسلم لیڈر اس مسئلے پر بات کرتا ہو۔ سرسید نے ایک ایسی حکومت سے تعارض کیا تھا جس نے ظلم سے ہزاروں ——————— لوگوں کی جانیں لی تھیں، ان کی جائدادیں ضبط کی تھیں، لوگوں کو ذلیل کیا تھا۔ لیکن جب انہوں نے محسوس کیا کہ زمانہ بدل گیا ہے، اور بغیر اس حکومت سے کوآپریٹ کیے ہوئے آگے بڑھنا مشکل ہے تو انہوں نے ORGANIZED طریقے سے کوآپریٹ کیا۔ تو بات نقطۂ نظر کی ہے۔ ایک تو ہندوستان کے کچھ ایسے لوگوں کا نقطۂ نظر ہے جو یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ، سرسید بڑے سیکولر تھے، اور ہندوستان کے لیے انہوں نے کہا تھا کہ ہندو اور مسلمان، ایک خوبصورت دلہن کی خوبصورت آنکھیں ہیں۔ ادھر، پاکستان میں لکھنے والے یہ کہہ رہے ہیں کہ سرسید پاکستان کے خیال کے حامی تھے اور انہوں نے اس کی ابتدا کی تھی۔ کچھ لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ کانگریس کے مخالف تھے، لہٰذا وہ آزادی کے مخالف تھے اور نیشنلزم کے مخالف تھے۔ بات صرف اتنی تھی کہ وہ REACT کر رہے تھے اس وقت کے حالات کے ساتھ۔ کچھ DECISION انہوں نے لیے جو صحیح تھے، کچھ DECISION انہوں نے لیے جو غلط ہو سکتے ہیں اسوقت انہوں نے کانگریس کے ساتھ CO-OPERATE اس لیے نہیں کیا تھا کہ وہ جانتے تھے کہ مسلمان اتنے بیکورڈ ہیں کہ بے وجہ سیاست میں پڑ جائیں گے تو اور پٹائی ہو گی اور وہ ترقی نہیں کر سکیں گے۔ وہ حالت آج بھی سو سال کے بعد باقی ہے۔

پھر ہماری پالٹیکس میں ہمارے نمائندے جو ہیں وہ اس قابل نہیں ہیں کہ کسی بڑی قوم کی نمائندگی کر سکیں، ان میں وہ ذہنی صلاحیت نہیں ہے کہ وہ بڑی قوم کے نمائندے ہو سکیں، ان میں دور اندیشی نہیں ہے، ان میں ORGANIZED THINKING کرنے کی بھی صلاحیت نہیں ہے ان میں CONSTRUCTIVE کام کرنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ اور آج بھی ہندوستان کا مسلمان اس قابل نہیں ہے کہ وہ سیاسیات میں EQUALLY حصہ لے سکے اور سو سال پہلے NATURALLY سرسید نے یہ محسوس کیا تھا کہ شاید ابھی وہ اس قابل نہیں ہیں، وہ اتنے MATURE نہیں ہیں کہ وہ اس وقت کی سیاست میں حصہ لے سکیں اور ایسے حکمراں کو جو ظالم تھا اور جس نے ایک PARTICULAR COMMUNITY کی یا

ہندوستان کے عام لوگوں کی بری طرح تذلیل کی تھی، ان سے مخالفت مول لیکر ترقی کر سکیں تو انکے چند DECISIONS تھے جو ہوسکتا ہے بعد میں غلط ثابت ہوئے ہوں۔ مثلاً میں ایک بات عرض کردوں کہ اگر انگریزوں کی حکومت دس سال کے اندر ختم ہو جاتی، تو سرسید کا وہی حشر ہوتا جو فرانس میں لامان کا ہوا تھا کہ اس کو ٹریٹر کہہ کر پھانسی پر چڑھا دیا، لیکن انگریزوں کی حکومت کے دس سال کے بعد یہ محسوس ہوا کہ جو سرسید سوچ رہے تھے وہ صحیح تھا۔ اور اگر انکی حکومت دس سال کے اندر اڑ جاتی تو شاید پوری تاریخ الگ ہوتی۔ اور شاید سرسید کا EVALUATION کچھ اور ہوتا تو THE SUBSEQUENT EVENT OF HISTORY ALSO MAKES A GREAT IMPACT ON THE ORIGINAL HISTORY IN THE MATTER

حامد صاحب نے ORGANIZED THINKING کرنے کی جیسی کوشش کی ہے، مسائل کو سمجھنے کی جو کوشش کی ہے اور ان کے لیے جوابات یا حل ڈھونڈھنے کی جو کوشش کی ہے تو اب اس موضوع پر جو انٹلکچوئلس کا موضوع ہے جس میں سب شامل ہیں، ہندو مسلمان سبھی شامل ہیں، اور جو شخص بھی اس ملک کا وفادار ہے اور اس ملک کا بہی خواہ ہے اس کو سوچنا چاہیے کہ ریشنل طریقے سے آخر ——— قوم کے ایک پسماندہ حصے کو کس طور سے ابھارنے کی ضرورت ہے اگر ہندو اس بارے میں نہیں سوچتے، تو وہ دور اندیش نہیں ہیں اور اگر مسلمان ——— اپنے صحیح مسئلوں پر نہیں سوچتے، تو ہمارے لیڈر بھی دور اندیش نہیں ہیں۔ ——— ان میں وہ صلاحیت نہیں ہے کہ وہ اصل مسائل کو سمجھ سکیں، یا کم از کم ان میں وہ ایمانداری نہیں ہے کہ وہ اصل مسائل کی طرف ہماری توجہ مبذول کریں۔ وہ صرف جلوسوں کی اور نعروں کی بات کرتے ہیں ——— HARDWORK اور CONSTRUCTION کی بات کبھی نہیں۔ میں اس موقع پر یہ عرض کروں گا کہ اس موضوع پر سرسید کے بعد شاید ایسے بہت سے مضامین ایک جگہ پر کسی اور شخص کے شائع نہیں ہوئے کہ جو سید حامد صاحب کے شائع ہوئے ہیں، ہوسکتا ہے کہ ان کے طرز فکر سے، ہوسکتا ہے کہ جو نتائج انہوں نے اخذ کیے ہیں ان سے کسی کو اختلاف ہو ——— لیکن ان کی ایمانداری اور ان کی انصاف پسندی اور سمجھ بوجھ، اور ان کی دور اندیشی کے بارے میں ہم کوئی شبہہ نہیں کرسکتے۔ اور ہمیں سمجھنا چاہیے کہ نہ صرف سید حامد صاحب کو بلکہ ہم میں سے ہر اس شخص کو جو یہاں موجود ہے اور ہر اس انسان کو جس کو خدا نے دماغ دیا ہے اس موضوع پر سوچنا چاہیے انٹلکچوئل وہ ہے جسکے پاس دماغ ہو لیکن استعمال بھی کرے، لیکن ہمارے پاس جو اکثر انٹلکچوئلس ہیں ان کے اوقات بجائے ORGANIZED CONSTRUCTIVE WORK ——— کے فضول سازشوں میں صرف ہوتے ہیں، علیگڑھ یونیورسٹی میں بہترین

دماغ موجود ہیں جو چھوٹی باتوں میں الجھے ہوئے ہیں تنگ نظری کی باتیں کرتے ہیں، چھوٹی سازشیں کرتے ہیں، مجھے معاف کیجیے، میں صاف گوئی سے کام لے رہا ہوں۔ یہی دماغ اگر CONSTRUCTIVE کام کی بات کرنے لگیں ——— ان میں نوجوان ہیں کہ جن کے پاس اعلیٰ صلاحیتیں ہیں وہ ہمارے BACK BONE ہو سکتے ہیں اور ہم کو یہ کوشش کرنی چاہیے کہ علیگڑھ ایک ایسی جگہ بنے جہاں سے محبت پھیلے نفرت نہ پھیلے، جہاں کے لوگ یہ سمجھیں کہ بغیر رولنگ گروپ کی دوستی کے، بغیر رولنگ گروپ کی سپورٹ کے، جو اس ملک میں MAJORITY ہے، پوری، مائنوریٹی ترقی نہیں کر سکتی۔ اور اگر اتنی عقل نہیں ہے تو پھر SURVIVAL کی کوشش بیکار ہے۔

ایک بات اور آپ سے عرض کروں گا۔ ہم بات کرتے رہتے ہیں انگریزوں کی، کہ انہوں نے DIVIDE AND RULE کی پالیسی اختیار کی، انہوں نے ہندو مسلمان کی بات کی۔ لیکن کیا آپ سمجھتے ہیں کہ موجودہ حکومتیں DIVIDE AND RULE نہیں کر رہی ہیں؟ جب آزادی ہوئی، جناح صاحب کہتے تھے کہ ہندوستان ایک ہندو اکثریت اور ایک مسلمان اقلیت میں مستقلاً اکثریت و اقلیت میں تبدیل ہو جائے گا۔ اور مسلمانوں کے لیے کوئی جا نہیں رہے گی۔ کانگریس یہ کہتی تھی کہ پارٹی کی بنا پر اور سیاسی خیالات کی بنا پر تقسیم ہو گی اور مذہبی بنیاد پر علاقے تقسیم نہیں ہوں گے لیکن وہی حکومت اب اس ملک کو MAJORITY اور MINORITY میں تقسیم کر رہی ہے وہی حکومت اب ہندوستانی شہری کی بات نہیں کر رہی ہے میجوریٹی اور مائنوریٹی کی بات کرتی ہے وہ شیڈولڈ کاسٹ شیڈولڈ ٹرائب کی بات کرتی ہے ، تو یہ حکومت بھی DIVIDE AND RULE کی پالیسی چلا رہی ہے۔ تو ہم کو یہ سوچنا چاہیے کہ اگر DIVIDE AND RULE کی پالیسی موجود ہے تو ہم کو اس سے FIGHT کرنا چاہیے اور یہ FIGHT ہم کو متحدہ طور پر کرنا ہے جیسا کہ ——— صاحب نے کہا کہ اس ملک کے وہ لوگ جو پیچھے رہ گئے ہیں اس ملک کے وہ لوگ ، جنھیں ترقی کرنا ہے، وہ اس بات کو سمجھ لیں کہ DIVIDE AND RULE آج بھی جاری ہے۔ میں نے ہندوستان میں جو رہنے کا فیصلہ کیا تو اس لیے کہ میں سمجھتا تھا کہ میں ہندوستان کا شہری ہوں میں ایک FULL-FLEDGED ہندوستانی شہری ہوں میں کسی اور ہندوستانی شہری سے کسی طرح کم نہیں ہوں۔ میں سیکنڈ کلاس سٹیزن نہیں ہوں، میں بیک ورڈ بھی نہیں ہوں کسی حیثیت سے، نہ ذہنی حیثیت سے نہ مالی حیثیت سے، نہ اپنی اور کسی حیثیت سے لیکن اب ——— مجھے معلوم ہوتا ہے، پچھلے گزشتہ پانچ دس سال سے کہ میں مائنوریٹی ہوں میں مائنوریٹی

Marfat.com

نہیں ہوں، میں ہندوستان کا ایک معزز شہری ہوں اور ہندوستان کے کسی بھی اور شہری کے برابر ہوں۔ I REFUSE

TO ACCEPT THAT I AM ANY THING LESS THAN A FULL-FLEDGED CITIZEN OF INDIA.

آج تک آپ کے مسلمان لیڈروں نے جب بات نہیں کی، بیکورڈ بن گئے، بیکورڈ بن کر خوش ہو گئے، جن لوگوں نے تاج محل دیا آج ان کو بیکورڈ کہا جا رہا ہے۔ گزشتہ ایک ہزار سال سے جن کا کنٹری بیوشن ہے فن تعمیر میں اور موسیقی میں اور کلچر کے ہر معاملے میں، مصوری میں، خطاطی میں غرضیکہ ہر چیز میں اور آپ اب خوش ہو رہے ہیں کہ آپ کو بیکورڈ کہا جا رہا ہے، آپ کو بیکورڈ کہا جائے آپ کی سیٹس SEATS ریزرو کی جائیں وغیرہ وغیرہ آپ کو اپنا حق مانگنا چاہیے بحیثیت ہندوستانی شہری کے، یہ تو قومی مسئلہ ہے اور ہم ہندوستانی شہری ہیں، FULL-FLEDGED ہندوستانی شہری۔ کسی شہری سے کم نہیں، کسی طرح دوسرے درجے کا شہری نہیں! خدا ہمارے ان لیڈروں کو عقل سلیم عطا فرمائے کہ جو ہم کو پیچھے کی طرف لے جا رہے ہیں۔ خدا ان کو عقل سلیم عطا فرمائے کہ وہ آرگنائزڈ تھنکنگ ORGANIZED THINKING کریں اور اپنے اصل مسائل کی طرف سوچیں۔

میں اس وجہ سے سید حامد صاحب کو ان تمام لیڈروں پر فوقیت دوں گا جنھوں نے اصل مسائل کو چھوڑ کر فروعات کی طرف توجہ کی۔ اور اگر آپ اس کتاب کو پڑھیں گے تو ایسا ہی سوچیں گے جیسا میں سوچنے لگا ہوں کہ برسوں کے بعد ایک آدمی آرگنائزڈ طریقے پر سوچ رہا ہے ہو سکتا ہے کہ نتیجے پر پہنچنے میں کچھ غلطی ہو — لیکن جب تک آپ سب اور ہندوستان کی پوری قوم ہر ہندوستانی اس طرح نہ سوچنے لگے تو ہندوستان ڈوب جائے گا ہندوستان کا کوئی فیوچر نہیں رہے گا۔ ہندوستان کا کوئی فیوچر نہیں اگر ہندوستانی اسی تنگ نظری سے اور اس منافقت سے قومی مسائل پر سوچتے رہے۔

●●

جناب سید حامد

سابق وائس چانسلر، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

کسی اقلیت کے جانبر ہونے اور سرخرو ہونے کے لیے تین شرطیں ہیں۔ اور ان تینوں شرطوں میں سے اگر کسی ایک پر بھی وہ اقلیت کاربند نہیں ہوتی تو یہ دونوں باتیں (جانبر ہونا، سرخرو ہونا تو خیر بہت بعد کی بات ہے)... شبہ میں پڑ جاتی ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ اقلیت اپنے مسلک، اپنی روایات، اپنے دین اور اپنی ثقافت پر کاربند رہے کیونکہ اگر اس پر کاربند نہیں رہتی تو پھر اس کا وجود ہی قائم نہیں رہتا۔ دوسری شرط یہ ہے کہ ـــــ اقلیت کے افراد اکثریت کے افراد سے زیادہ محنت کر کے، زیادہ کاوش، زیادہ ریاضت سے اپنے آپ کو بہتر کارگزار شہری بنائیں۔ اگر وہ اپنے آپ کو اکثریت کے افراد سے کارگزاری میں، لیاقت میں، بہتر نہیں بناتے ہیں، اگر وہ اس کے برابر بھی پہنچ جاتے ہیں، تب بھی ان کی بقا کے امکانات بہت کم ہو جاتے ہیں، کیوں کہ ایک رجحان، اس سے ہمیں انکار نہیں کرنا ہے کہ ایک رجحان رہتا ہے، جو خود سے زیادہ قریب ہیں ان کو ترجیح دینے کا۔ اگر مسلمان ہندوستان میں عزت کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو ان کو شدید ریاضت کی ضرورت ہے، جو عام محاورہ ہے، ان کو اکیس ہونا ہے اگر وہ انیس ہوئے تو پھر ان کی بقا مشتبہ ہو جائے گی۔ اور، وہ کوئی بقا نہیں ہے اگر آپ عزت کے ساتھ نہیں رہتے، اہل فکر کی فہرست میں آپ کا نام نہیں ہے تو وہ بقا، عدم وجود برابر ہے، بلکہ بدتر۔

تیسری شرط یہ ہے کہ اقلیت کے افراد پہلی شرط کو ملحوظ رکھتے ہوئے اکثریت کے ساتھ اپنے تعلقات کو خوش آئند اور شگفتہ رکھیں، یہ چیز بھی ضروری ہے۔ اور اس سلسلے میں میں نے محفلوں میں یہ عرض کیا ہے کہ ہمارا جمہوری آئین، ہماری جتنی حکومتیں مرکز میں ہیں اور ریاستوں میں ہیں انہوں نے بھی کبھی یہ نہیں کہا، یہ پالیسی نہیں بنائی، یہ اعلان نہیں کیا کہ ہم اکثریت کو ترجیح دیں گے اور اقلیت کو نظر انداز کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ جمہوریت میں مساوات ہوتی ہے، اور سب ہماری نگاہ میں، حکومت کی نگاہ میں، برابر ہیں، اس کے باوجود مختلف مراحل میں مسلمانوں کو شکایت رہی، تو شکایت کیوں رہی؟ شکایت اس بنا پر رہی ہے کہ اور چیزوں کے علاوہ، ان کے تعلقات اکثریت کے ساتھ خوشگوار نہیں رہے، اور ایک فاصلہ رہا۔

فاصلے سے بدگمانیاں بڑھتی چلی گئیں۔ اور ہم نے کوئی کوشش نہیں کی ان بدگمانیوں کو دور کرنے کی۔ میں ذکر کروں گا کہ حال ہی میں ۱۸ جون کو غالباً گری لال جین صاحب کا ایک لیڈنگ آرٹیکل ٹائمس آف انڈیا میں نکلا۔ اور باتوں کے علاوہ انہوں نے تجزیہ یہ کیا تھا کہ جدید تہذیب کا اثر، جدید تہذیب اور مغربی تعلیم اور تمدن کا اثر، ہندوؤں اور مسلمانوں پر الگ الگ مختلف عنوانوں سے پڑا۔ لیکن چلتے چلاتے، وہ یہ بات کہہ گئے کہ اردو کا سارا خمیر عربی اور فارسی سے اٹھا ہے۔ اور یہ بھی کہہ گئے کہ سرسید سے جو تحریک منسوب کی جاتی ہے، وہ کوئی تحریک نہیں ہے، تحریک دراصل برہمو سماج کی ہے آریہ سماج کی تحریک ہے وغیرہ۔ تو اب ہونا یہ چاہیے تھا کہ اردو کے متعلق اور سرسید کی تحریک کے متعلق خطوط جاتے ٹائمس آف انڈیا کو، کہ آپ ان خطوط کو چھاپئے، کیونکہ اس میں بعض پہلو ایسے ہیں جو حقیقت سے بعید ہیں، اور انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ آپ ان کو چھاپیں۔ میں نے ایک خط بھیجا انہی دو پہلوؤں پر۔ میں نے اس میں یہ عرض کیا کہ سرسید کی تحریک سیکولر تحریک تھی جن تحریکوں کا آپ نے ذکر کیا ہے وہ مذہبی تحریکیں تھیں۔ کسی تحریک کو اس بنا پر تحریک کے دائرے سے خارج نہیں کیا جاسکتا کہ وہ ایک سیکولر تحریک ہے، اور، اس کے شواہد آج تک ملتے ہیں۔ سرسید نے مسلمانوں کو، جدید زمانے کے ساتھ، ان کی فکر کو ہم آہنگ کرنے کی پہلی بڑی اور معتبر کوشش کی۔ یہ خط چھپنا ہی تھا کہ چار دن کے اندر دو خط ٹائمس آف انڈیا میں اور چھپے ایک مسز وجے لکشمی جین کا خط اور ایک مسٹر گوئل کا۔ مسز وجے لکشمی جین نے اس میں یہ کہا کہ صاحب یہ خط لکھنے والا یہ کہہ رہا ہے کہ اردو زبان ہندوستان کی ایک قومی زبان ہے، اور یہ بہترین نمونہ ہے ہندوؤں اور مسلمانوں کی قدیم تہذیبوں اور زبانوں کے امتزاج کا، ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ یہ اردو والے جب بات کرتے ہیں تو یہ صرف ایران کی کرتے ہیں اور ہندوستان کی تہذیب اور ہندوستان کے پہاڑ اور دریا ان کے یہاں جلوہ گر نہیں ہوتے۔ تو اب اس کے بعد بحث تو ہو نہیں سکتی تھی، میں بار بار جواب نہیں دے سکتا تھا، میں نے ادھر ادھر دیکھا کہ کوئی جواب، علیگڑھ سے یا کوئی جواب اردو کے سلسلے میں آئے، اور تحریک کے سلسلے میں آئے، علیگڑھ سے کوئی جواب نہیں گیا۔ اور پھر مجھے بدرجہ مجبوری، اور اس راز کو میں فاش کر رہا ہوں، دو خط لکھ کر میں نے دوسرے صاحبان کو دیے کہ آپ ان کو چھپوا دیجیے، ایک خط میں صرف اردو زبان کے مزاج، اردو زبان کی ساخت سے بحث ہے اور میں نے ہر طرف جھانکا کہیں اس کے لیے مسالہ نہیں ملا، جو اس خط کو، اور اس دلیل کو مسمار کر سکے۔ مسالہ ملا تو اندر کمار گجرال کے قلم سے، اندر کمار گجرال نے گجرال کمیٹی کی رپورٹ کے پہلے

اور دوسرے صفحے میں اردو کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، وہ اردو کے متعلق، اردو کے دفاع اور اردو کی قومی نوعیت کے متعلق حرف آخر ہے۔ اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس خط کے چھپنے کے بعد اس اردو کے مسئلے پر بحث کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ میں نے یہ لکھا کہ گجرال کمیٹی کی رپورٹ کے پہلے دو صفحات کو آپ ضرور پڑھیں، اندر کمار گجرال نے یہ لکھا ہے کہ اس کی ساخت ہندی ہے اور اس نے بہت سی زبانوں سے استفادہ کیا ہے، اور ہر زبان کی توانائیاں اس نے اپنے اندر جذب کی ہیں، اس میں ہندوستان کی ساری زبانیں شامل ہیں، اور انگریزی بھی شامل ہے، فارسی اور عربی بھی شامل ہے انہوں نے یہ بھی کہا کہ دوسرے مذاہب کی کتابوں کے جتنے تراجم اردو میں موجود ہیں اتنے شاید کسی زبان میں موجود نہیں۔ انہوں نے بتایا کہ رامائن کے غالباً بیس بائیس تراجم اردو میں موجود ہیں، گیتا کے بے شمار تراجم موجود ہیں، اور اس کے بعد کم اہمیت کی مذہبی کتابوں کے تراجم بھی موجود ہیں، تو اندر کمار گجرال کی اس بات سے کنور پال سنگھ صاحب کی اس بات کو تقویت ہوتی ہے کہ اس ملک میں ہمیں ایسے لوگوں کو تلاش کرنا ہے۔ جو فراخدلی اور انصاف کے ساتھ مسائل پر بحث کر سکتے ہیں۔ اور ہمیں ان لوگوں کو اپنے سے بدگمان نہیں کرنا چاہیے دور نہیں کرنا چاہیے، ایسے لوگ موجود ہیں۔ خود میرٹھ کے فسادات کے متعلق جو ابتدائی اطلاعات چھپی ہیں، وہ ہندی اخباروں کے نامہ نگاروں نے چھاپی ہیں، اور انہوں نے بے کم وکاست اس کو چھاپا۔ تو یہ ان کی خوش سگالی کی دلیل ہے اکثریت کے افراد کی خیر اندیشی اور خوش سگالی، ہمارا ایک بڑا سرمایہ ہے جس کو ہمیں ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ اور جس کو میں ایک بھونڈی سی اختراع ہے، جزیریت کہتا ہوں یا (INSULARITY) جزیرہ بن کے ہمیں نہیں رہنا ہے، ہم کو اس وسیع ملک میں رہنا ہے، اور یہ پورا ملک اس کا چپہ چپہ، ہمارے زیر قدم ہے، اور میں مولانا وحید الدین خاں صاحب کے اس نقطۂ نظر سے اختلاف کرتا ہوں، جو انہوں نے لکھا ہے کہ مسلمان یہاں اقلیت میں ہیں لہٰذا اس کو دب کے رہنا چاہیے، دبنا اور دبانا یہ قصہ تو نہیں ہوتا ہے، کہیں نہیں ہوتا۔ اور بعض مسلمان کبھی کبھی یہ سوچتے ہیں کہ دہشت گردی شروع ہو جائے گی، مسلمان دہشت گردی پر آمادہ ہو جائیں گے، لیکن دہشت گردی سے نقصان مسلمانوں کو بھی پہنچے گا اور ملک کو بھی پہنچے گا۔ مسلمانوں کا مفاد جیسا کہ کہا گیا، ملک کے مفاد کے ساتھ وابستہ ہے اور ہم کو اس ملک میں یہ ثابت کرنا ہے کہ ملک کی پیش رفت، اور ملک کی ترقی میں ہم کسی سے پیچھے نہیں۔ جس طرح کہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے، اور اسی پر مزید زور دینا ہے کہ ملک کی جنگ آزادی میں مسلمان کسی سے پیچھے نہیں رہے۔ اور اردو زبان ہندوستان

Marfat.com

کی ساری زبانوں سے، جنگ آزادی کی جدوجہد میں آگے رہی۔ یہ بات تقریباً ثابت ہو چکی ہے! اسی طرح ہم کو یہ بھی ثابت کرنا ہے کہ ہندوستان کی پیش رفت میں ہم کسی سے پیچھے نہیں۔

میں بھی بہت مودبانہ یہ بات عرض کروں گا اور دہراؤں گا کہ مسلمانوں کی قیادت میں بدقسمتی سے ایک عرصے سے مسلمانوں کی صحیح رہنمائی نہیں کی گئی۔ چند روز ہوئے، مسلمانوں کے ایک بڑے قائد کی خدمت میں حاضر ہونے کا مجھے اتفاق ہوا یہ ایک جلسہ کا موقع تھا تو' میں نے ان سے یہ عرض کیا کہ صاحب، قائد اور لیڈر وہ ہے جو، ان لوگوں کو، جن کا وہ لیڈر ہے، اپنے ساتھ اپنے پیچھے چلا سکتا ہو، قائد وہ نہیں ہے جو عوام کے پیچھے چلے' اس وقت ہماری صورت حالات اور یہ بڑی خطرناک صورت حالات ہے، اول تو ہمارے یہاں انتہا پسندانہ، شعلہ بار تقریریں، جن میں نمک مرچ مسالہ ہوتا ہے، وہ بہت مقبول ہو گئی ہیں۔ یہ میں بڑے لیڈروں کو نہیں کہہ رہا ہوں، چھوٹے درجے کے جو رہنما ہیں جو اپنے کو مقرر تصور کرتے ہیں، ان کا یہ شیوہ ہو گیا ہے کہ آگ لگانے والی تقریریں کرتے ہیں، انتہا پسندی کی باتیں، انتہائی غیر ذمہ داری کے ساتھ! اور جب مرچ کے کھانے کی عادت کام و دہن کو ہو جاتی ہے، تو سادہ کھانا اور پرہیزی کھانا پھیکا اور سیٹھا لگتا ہے۔ اسی طرح جب عوام کو عادت ہو جاتی ہے کہ شعلہ بار تقریریں سنیں، تو وہ سنجیدگی کی، احتیاط کی، دانش کی بات کو سننے کے لیے تیار نہیں رہتے۔ اب سوال آتا ہے ہمارے بڑے قائدین کے سامنے، وہ جانتے ہیں کہ یہ عوام اس منزل پر پہنچ گئے ہیں جہاں ان کو انتہا پسندی کی بات پسند ہو گی اور جہاں احتیاط اور اعتدال اور توازن کی بات ناپسند ہو گی۔ چنانچہ ہمارے بڑے لیڈروں نے بھی اب دانش، احتیاط توازن اور اعتدال کی بات کرنا چھوڑ دیا۔ انہوں نے کہا یہ بات عوام کو پسند ہو گی لہٰذا ہم بھی یہی بات کہیں گے، اور جس راستے پر چلنے کے لیے عوام کمربستہ ہیں ہم ان کی قیادت اسی راستے پر کریں گے، لیڈر وہ ہوتا ہے، جو دور اندیش ہو۔ اور، یہ دیکھے کہ ہم جو کہہ رہے ہیں، اور جو قیادت ہم دے رہے ہیں، اس سے بالآخر ان لوگوں کا، جو ہماری بات کو سن رہے ہیں فائدہ ہو گا یا نقصان ہو گا۔ لیڈر اس کو کہتے ہیں جو چلائے اعتدال احتیاط سلامتی اور توازن کے راستے پر! لیڈر وہ نہیں ہے جو اپنی لیڈری کو برقرار رکھنے کے لیے، انتہا پسندی کو اگر فروغ ہو گیا ہے، انتہا پسندی کا اگر چسکہ پڑ گیا ہے تو، انتہا پسندانہ بات کہے۔ ہم کو اس ملک میں ترقی کرنا ہے ہم کو اس ملک میں اپنی عزت نفس کو محفوظ رکھنا ہے، ہم کو کسی کے آگے سر جھکانا نہیں ہے البتہ، ہمارے سامنے یہ بات رہنی چاہیے کہ ہم جو کچھ کوشش

Marfat.com

کر رہے ہیں، مسلمانوں کی جہالت، ان کے افلاس، ان کی بے روزگاری، اور ان کی پسماندگی کو دور کرنے کی، وہ کوششیں براہ راست ہماری ملت کو فائدہ پہنچا رہی ہیں۔ یہ تصور ہمارے سامنے رہنا چاہیے۔ جواہر لال نہرو نے سرسید احمد کے متعلق جب نکتہ چینیاں سنیں تو انہوں نے یہ کہا کہ ان کو یہی کرنا چاہیے تھا، کیونکہ مسلمان کچلے گئے تھے، وہ سگ رہے تھے، وہ پچھڑ گئے تھے، ان کو آگے لانے کے لیے ساری توجہ انہوں نے مرکوز کی تو یہ صحیح کیا، اس میں فرقہ واریت کا کوئی شائبہ نہیں پایا جاتا۔ چنانچہ ہم کو اس اقلیت کو، اکثریت اور دوسرے فرقوں کے ساتھ اپنے تعلقات کو اپنی عزت نفس کو محفوظ رکھنا، مفادات کا تحفظ کرتے ہوئے ان کے ساتھ اشتراک عمل کرنا چاہیے، ان کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے، اور ان کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر آگے بڑھنا چاہیے، کچھ لوگوں کی طرف سے جو زیادتیاں ہوئی ہیں اس میں ان سے بات کرنی چاہیے کہ اگر آپ زیادتیاں کریں گے تو ہم عوام کو کس طرح سے سمجھائیں گے۔ اگر آپ کا رویہ تعصب کا رہا، یا آپ نے تحقیر سے ہماری طرف دیکھا تو پھر ہمارے ہاتھ کمزور ہو جائیں گے، ہم کوئی رہنمائی عوام کی نہیں کر سکیں گے۔ چاہیے کہ یہ بات ہم سمجھائیں، اور ہمارا ایک ارتباط بننا چاہیے دوسرے طبقات کے ساتھ یا دوسرے فرقوں کے ساتھ۔ ہمارا ارتباط ہونا چاہیے۔ اور یہ بہت بڑا سانحہ ہے۔ ظاہر ہے کہ میری کوئی بساط نہیں، میں اپنے محدود دائرے میں رہ کر سوچتا ہوں، لیکن یہ بڑا سانحہ ہے کہ ہندوستان میں میری دانست میں کوئی گزشتہ ساٹھ ستر سال سے مسلمانوں نے جذبات کی پیروی کی، اور اپنے نفع اور نقصان پر غور نہیں کیا۔ خیر وہ بڑے لوگ تھے، اس میں بڑے بڑے قد آور لوگ تھے۔ انہوں نے اگر جذبات کی پیروی کی، تو انہوں نے اخلاص کے ساتھ کی، ان سے کوئی چھوٹی بات سرزد نہیں ہو سکتی۔ لیکن اس دور میں چھوٹے لوگ بھی مسند قیادت پر فائز ہو گئے ہیں، ان کے پیش نظر اپنی قیادت کا تحفظ ہے، اور ان کو اس کی فکر نہیں کہ ہماری انتہاپسندی سے ہمارے ملک اور ہماری ملت کو کس قدر نقصان پہنچ سکتا ہے۔

علیگڑھ تحریک کے متعلق لوگ یہ کہتے ہیں کہ علیگڑھ تحریک "تھی"، وہ اس لیے کہتے ہیں کہ علیگڑھ تحریک کو گرم عمل وہ اب نہیں دیکھتے، علیگڑھ تحریک اب موجود نہیں ہے۔ اگر علیگڑھ تحریک اس وقت زندہ ہو، تو سب کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ علیگڑھ تحریک کبھی تھی اور ہے بھی! علیگڑھ تحریک کے زندہ کرنے کی ذمہ داری آپ حضرات پر ہے۔ آپ اہلِ فکر ہیں، اہل علم ہیں، جذبہ رکھتے ہیں، درد رکھتے ہیں۔ علیگڑھ تحریک کو موجودہ زمانے کے حالات

کے مطابق ڈھالتے ہوئے آپ کو آگے بڑھنا ہے، علیگڑھ کو ایک معمل بنانا ہے، ایک لیباریٹری بنانا ہے جہاں ہندوؤں اور مسلمانوں کے بالخصوص تعلقات اس نہج پر آجائیں کہ یہاں سے پورے ہندوستان میں یہی روشنی پھیلے، یہ کام علیگڑھ تحریک کا بنیادی کام ہونا چاہیے۔ جہاں تک اردو زبان کا تعلق ہے، علیگڑھ تحریک کو فروغ جو کچھ ملا، وہ اس بنا پر ملا کہ اس کے جو قائد تھے، سرسید اور ان کے رفقاء وہ اردو زبان کو استعمال کرنا جانتے تھے۔ ان کی تحریر اور ان کی تقریر میں وہ جادو تھا کہ جس نے ان کو پڑھا یا جس نے ان کو سنا وہ ان کے پیچھے پیچھے ہولیا۔ تو علیگڑھ یہ کہہ کر دامن نہیں بچا سکتا کہ 'صاحب' ایک زبان ہے' یہ بھی' ہمیں اس سے کیا سروکار! علیگڑھ کی تحریک کو سینچنے والی زبان' اردو زبان ہے' اور پھر اردو زبان نے علیگڑھ کو فروغ بھی دیا اور علیگڑھ نے بھی اردو زبان کے گیسوؤں کو سنوارا۔ علیگڑھ نے یہ کام کیا ہے۔ اور' اب ہمارا یہ فرض ہو جاتا ہے کہ ہم اردو زبان کے فروغ کی کوشش کریں۔ میں اگر یہ کہوں کہ انسداد زوال کی کوشش کریں تو وہ واقعے سے زیادہ قریب ہے، لیکن وہ شکست خوردہ ذہنیت کا مظہر ہوگا۔ اردو زبان انتہائی تیزی کے ساتھ پسپا ہو رہی ہے، اگر یہ زبان پسپا ہو گئی تو وہ پل جو بنا ہوا ہے، مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان، وہ ڈوب جائے گا! اور جو بالغ نظر اور دانش مند ہندو ہیں ان کو بھی یہ سوچنا چاہیے کہ یہ زبان ایسا سرمایہ ہے کہ یہ اگر ختم ہو گئی تو پھر بات کہاں' کیسے' کریں گے' کس زبان میں ہم بات کریں گے، کس طرح سے ہم شیر و شکر ہو کے رہ سکیں گے۔ اردو زبان کا تحفظ' اور علیگڑھ تحریک کا احیا! علیگڑھ تحریک جیسا کہ وائس چانسلر صاحب نے اپنی انتہائی فکر انگیز تقریر میں کہا کہ علیگڑھ تحریک وقت کے تقاضوں کو پہچانتی ہے۔ اور' اگر یہ کہا جائے اس کا احیا کیا جا رہا ہے تو اس کا مدعا یہ نہیں ہے کہ آپ علیگڑھ تحریک کو بعینہ ویسے ہی پھر سے اختیار کر لیں جیسی وہ سرسید کے زمانے میں تھی۔ آج اس کے تقاضے مختلف ہیں' لیکن یہ تقاضا اب بھی بدستور ہے کہ جدید دور سے' حالیہ دور سے' ہم آہنگ ہوئیے اور مستقبل کی فکر کیجیے' اور جدیدیت کے ساتھ آپ ہمکنار ہوئیے' اور' جذبانیت میں نہ بہیے۔ بہنے سے انکار کر دیجیے' آپ کو اللہ تعالیٰ نے عقل دی ہے' عقل کی روشنی میں لوگوں کو پرکھیے اور علم کی روشنی میں قدم آگے بڑھائیے'! علیگڑھ تحریک کی یہ دین تابندہ ہے' پائندہ ہے' اور اس کو دوام کا مرتبہ حاصل ہے' جزئی' فروعی' ترمیمات آپ اس

میں ہر قدم میں کر سکتے ہیں، ترمیمیں آپ کو کرنی ہوں گی۔ مگر بنیادی بات: ہم کو بہکنا نہیں چاہیے! سمجھنا چاہیے، ہم کو امور کو سلجھانا چاہیے، امور کو الجھانے سے انکار کرنا چاہیے، ہمیں ربط قائم کرنا چاہیے، ہمیں رشتہ توڑنا نہیں چاہیے، ہمیں ہندوستان کے شہری ہونے پر فخر ہے، اور ہم اس افتخار کو عملی شکل دینا چاہتے ہیں۔' اور یہ بات کہ مسلمانوں کے ساتھ دوسروں نے زیادتیاں کیں یہ بات اپنی جگہ پر ہے، لیکن اس سے بڑی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ جو سب سے بڑی زیادتی کی وہ مسلمانوں نے کی، اس زیادتی کو اب ہمیں ترک کرنا ہوگا۔

●●

Marfat.com

سرجن) نسیم انصاری

علی گڑھ میڈیکل کالج کے سابق پروفیسر

میں آج کی نشست میں چند ایسے سوال اٹھانا چاہتا ہوں جن کا براہ راست تعلق سیاست سے نہیں بلکہ بیسویں صدی کی دنیا کی طرف مسلمانوں کے رویہ سے ہے۔ چاہے ہم میں سے کچھ لوگ زبان سے نہ کہیں لیکن زندگی کے ہر ہر موڑ پر یہ سوال آتا ہے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔

اب دنیا اتنی چھوٹی ہو گئی ہے کہ خدا کے سب بندے چاہے وہ ہندو ہوں یا مسلمان، عیسائی ہوں یا یہودی یا لامذہب سب ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور ہماری تہذیب میں ان تمام مذاہب کے عقائد اور خیالات زبردستی داخل ہو رہے ہیں، بلکہ ہو گئے ہیں۔ سب سے بنیادی مسئلہ جو مسلمانوں کے سامنے ہے وہ یہ ہے کہ ان کا رویہ غیر مسلموں کی طرف کیا ہونا چاہیے۔ اس مسئلہ پر جہاں مسلمانوں کا ذہن صاف نہیں ہے وہاں ان کے غیر مسلم بھائی بھی بہت سی غلط فہمیوں میں مبتلا ہیں۔ روزانہ اخبارات میں خط چھپتے ہیں جن کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں سے بچ کے رہنے کی ضرورت ہے۔ یہ اپنے علاوہ سب کو کافر سمجھتے ہیں اور کافروں سے تو انھیں قتال کا حکم دیا گیا ہے۔

میرے خیال میں ہمیں یہ سمجھنے اور سمجھانے کی ضرورت ہے کہ تمام غیر مسلموں کا شمار ان کفار میں نہیں ہے جن سے قتال کا حکم دیا گیا ہے۔ قتال کی اجازت تو صرف ان سے دی گئی ہے جو مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکالیں یا ان کی عبادت میں رکاوٹ ڈالیں۔ ایسے لوگوں کے خلاف تو یقیناً لڑائی کا حکم ہے اور یہ لڑائی اس وقت تک جاری رہے گی جب تک کہ ظلم بند نہ ہو جائے۔ لیکن باقی بنی نوع انسان کا شمار ان کافروں میں نہیں ہے۔ ان سے تو ہمیں خلوص اور محبت کی ایسی باتیں کرنا ہے جن سے ان کے دلوں میں ہمارے لیے جگہ ہو جائے۔ یہ بات اچھی طرح سمجھنے اور بار بار کہنے کی ہے کہ خدا کے سب بندے ہیں اور تصور رب العالمین کا ہے، رب المسلمین کا نہیں۔

اسی ضمن میں ایک اور بات آتی ہے۔ وہ ہے زمانہ جاہلیت کا تصور۔ نہ معلوم یہ اصطلاح کس زمانہ میں نکلی اور کس نے نکالی۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ اسلام سے پہلے کا زمانہ ساری دنیا کے لیے تاریکی کا زمانہ تھا، اصلی تہذیب تو ظہور اسلام کے بعد شروع ہوئی۔ یہ بڑا خطرناک نظریہ ہے۔ مسلمانوں سے تو بار بار یہ کہا گیا ہے کہ تمہارے نبی تم سے کوئی نئی بات نہیں کہہ رہے ہیں، اس طرح کی تعلیم تو دنیا کی ہر قوم کو وقتاً فوقتاً دی جاتی رہی

Marfat.com

ہے، ہر قوم میں تمہارے نبی کی طرح لوگ آتے رہے ہیں اور وہ وہی تعلیم دیتے رہے ہیں جو تمہیں دی جا رہی ہے۔ ان باتوں کی روشنی میں زمانہ جاہلیت کا تصوّر بے معنی ہو جاتا ہے۔ بہت سے لوگ بڑی خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ ہم اللہ کے خاص بندے ہیں اور اس لیے شاید ہمیں ما فوق الفطرت طریقوں سے بھی ہمارے دشمنوں کے خلاف مدد مل سکتی ہے۔ یہ بھی سنا جاتا ہے کہ دشمنوں کے بم جب مسلمانوں پر گرتے ہیں تو اللہ کی رحمت انھیں گلدستہ بنا دیتی ہے۔ نعوذ باللہ۔ آپ خود غور فرمائیے کہ جو گروہ اس قسم کے توہمات میں گرفتار رہے گا وہ کیا ترقی کرے گا؟

اسی طرح بعض لوگ کہتے ہیں کہ اسلام ایک مکمّل نظام حیات ہے۔ اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ اخلاقیات کے دائرہ میں تمام باتیں اصولی طور پر بتا دی گئی ہیں اور اب کسی اور پیغام الٰہی کی ضرورت نہیں ہے تو یقیناً یہ بات صحیح ہے۔ اور ان معنوں میں ضرور اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے۔ لیکن اگر اس سے کوئی یہ نتیجہ نکالے کہ زندگی کے ہر شعبہ کی جزئیات کے متعلق مذہبی ہدایات موجود ہیں تو یہ بہت بڑی غلطی ہوگی۔ ہوائی جہاز چلانے والے کو بڑی محنت اور مشقت سے ہوائی جہاز چلانا سیکھنا ہوگا۔ اس کے لیے اسے سائنس پڑھنا ہوگا، کل پرزوں کو سمجھنا ہوگا۔ اور مسلسل مشق سے فیصلہ لینے کی قابلیت پیدا کرنا ہوگی۔ ان میں سے کسی چیز کا بدل قرآن یا حدیث کی کوئی آیت نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح موجودہ تنظیموں کی رہنمائی میں جزئیات پر پورا عبور حاصل کیے بغیر کام نہیں چل سکتا چاہے یہ تنظیمیں ریل کی ہوں یا فوج کی یا اسپتال کی یا ریاست کی۔ کوئی مذہبی فارمولا جزئیات پر عبور کا بدل نہیں ہو سکتا۔

ایک بات بہت زمانہ سے کہی جا رہی ہے کہ سائنس کے ہر نظریہ کو قرآن کی کسوٹی پر پرکھنا چاہیے۔ اگر سائنس کا کوئی نظریہ قرآن کے خلاف جاتا ہے تو سائنس کو غلط سمجھنا چاہیے۔ بظاہر یہ بات نہ صرف بے ضرر معلوم ہوتی ہے بلکہ ہر عقیدت مند مسلمان کے لیے مشعل راہ بھی۔ لیکن ذرا غور فرمائیے کیا معنی نکلتے ہیں اس نظریہ کے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن بھی ایک سائنس کی کتاب ہے، ہدایت کی کتاب نہیں بلکہ ریفرنس بک۔ سائنس کے نظریات توڑ وزبدلتے رہتے ہیں۔ ہر نظریہ عارضی طور پر تسلیم کیا جاتا ہے جب اس کے مطابق عمل کر کے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس نظریہ میں تبدیلی کی ضرورت ہے تو بخوشی یہ تبدیلی قبول کر لی جاتی ہے۔ لیکن قرآن کی کوئی بات عارضی نہیں ہے۔ اس میں جو لکھا ہے وہ بدلا نہیں جا سکتا۔ اس لیے اس کا اور سائنس کا کوئی مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن کی کسوٹی پر سائنس کے عارضی نظریات کو پرکھنا ویسا ہی ہے جیسا کہ الجبرا کے سوالات کو

Marfat.com

موسیقی کی تانوں کے ذریعہ حل کرنا۔

اس خیال کی وجہ سے مسلمانوں نے بہت نقصان اٹھایا۔ اوّل تو وہ سائنس سے ڈرنے لگے کہ کوئی ایسی بات نہ پڑھ لیں جوان کے عقائد کو متزلزل کردے۔ اب تو نہیں ہیں تے اپنے بچپن میں ضرور سنا تھا کہ ڈاروِن کی تھیوری اسلام کے خلاف ہے۔ بھلا بتائیے کہ قرآن میں تو یہ کہا گیا ہے کہ ہم نے قصے کہانیاں بیان کی ہیں تاکہ تمہاری سمجھ میں بات آجائے اور یقیناً یہ اسی زبان میں بیان کی گئی ہیں جو اس زمانہ میں رائج تھی اور اس میں وہی مثالیں دی گئی ہیں جن سے اس زمانہ کے لوگ واقف تھے۔ بقائے اصلح survival of the fittest کا نظریہ انیسویں صدی کی پیداوار ہے، جب سائنس کا میکانکی دور اپنے عروج پر تھا۔ اب اس قسم کے کسی نظریہ کا ذکر اگر قرآن میں آتا تو انیسویں صدی سے پہلے کے لوگ کیسے سمجھ سکتے تھے۔ سائنس میں مشاہدات کی بنیاد پر نظریات قائم کیے جاتے ہیں۔ اصرار اس پر ہوتا ہے کہ مشاہدات بالکل صحیح طور پر بیان کیے جائیں۔ ظاہر ہے کہ کوئی مذہب خاص کر اسلام مشاہدات سے ہرگز منع نہیں کرتا۔

لیکن ذرا غور فرمائیے کہ کیا نقصان ہوا۔ بجائے اس کے کہ ہمارے سائنس داں ڈاروِن کے نظریہ کو مزید مشاہدات کی بنیاد پر پرکھتے، بہت سے لوگوں نے یہ کہہ کر اسے نظرانداز کر دیا کہ یہ تو قصۂ آدم کی نفی کرتا ہے اس لیے ہمارے مذہب کے خلاف ہے اور اس لیے ہم اس پر کوئی توجہ نہیں کریں گے۔ ظاہر ہے کہ جو جگہ بیالوجی کی سائنس میں ہم نے خالی کی اس پر دوسروں نے قبضہ کر لیا ہم پھر پس پشت ڈال دیے گئے۔

ہمیں آج یہ بات بہت زور دیکر کہنا ہوگی کہ قدرت کا مشاہدہ کرنے کی کہیں مخالفت نہیں آئی ہے بلکہ اس کی تو ترغیب دی گئی ہے۔ یہ مشاہدہ بالکل صحیح ہونا چاہیے کہ یہی سائنس کا میدان ہے۔ عقائد کا معاملہ بالکل دوسرا ہے۔ اگر ان میں کوئی شک ہو تو سائنس داں کے بجا کسی مرشد اور عارف سے رجوع کرنا چاہیے۔

آخر میں، میں آپ کی توجہ مغربی تہذیب کی طرف دلانا چاہتا ہوں۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ مغربی تہذیب اور اسلام دو متضاد چیزیں ہیں کیا یہ بات ٹھیک ہے؟ مغربی تہذیب کا ایک تجزیہ یہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ اس کی بنیاد یونانی فلسفہ، مشرق وسطیٰ کے مذہبی تصورات اور رومن قانون پر ہے۔ غالباً بہت حد تک یہ تجزیہ صحیح ہے۔ اب ذرا غور فرمائیے کہ مسلمانوں کا کیا رشتہ ہے ان تینوں چیزوں سے۔ اوّل تو یونانی فلسفہ کو مسلمانوں نے کبھی نہیں ٹھکرایا بلکہ ان کے علماء تو سقراط، افلاطون، ارسطو، بقراط اور اقلیدس کو اپنا استاد مانتے تھے اور

قرونِ وسطیٰ میں تمام علمی کارنامے تو گویا یونانی علوم ہی کو بنیاد رکھ کر انجام دیے گئے تھے۔ ان لوگوں کا جب یونانی، ہندی، اور رومن علوم سے واسطہ پڑا تو انہیں ان کو اپنانے میں کوئی ذہنی رکاوٹ نہیں محسوس ہوئی۔ غالباً وہ یہ سمجھے کہ عَلَّمَ الاِنسانَ مَا لَم یَعلَم کی تفسیر یہی ہے۔ صدیوں بعد جب انیسویں صدی میں مسلمانوں کا سابقہ پھر یونانی فلسفہ کی ترقی یافتہ شکل یعنی مغربی علوم سے پڑا تو مسلمانوں کا رویہ بالکل دوسرا تھا۔ گذشتہ تین چار صدیوں سے ان کا رشتہ عالمی کلچر سے بالکل منقطع ہو گیا تھا۔ انھیں جان ہنٹر، گلیلیو، کوپرنیکس اور نیوٹن کے کارناموں کا بالکل علم نہیں تھا۔ جب فاتح یوروپین قومیں اپنے ساتھ ان علوم کو بھی لائیں تو مسلمانوں نے یہ سوچ کر ان سے اپنا منھ موڑ لیا کہ یہاں پر تو فرنگیوں نے قبضہ کر ہی لیا ہے اب نیت ہمارے دین کو تباہ کرنے کی ہے۔ لیکن سرسید اور ان کے ساتھیوں نے ایک طویل کشمکش کے بعد مسلمانوں کو اس قابل بنا دیا کہ وہ اس ہچکچاہٹ پر قابو پالیں۔ چنانچہ اب کوئی شکوہ نہیں کرتا "جاں سپردِ ڈاکٹر، عقل سپردِ ماسٹر اور مال سپردِ آنجناب"۔ چنانچہ یوروپین تہذیب کے ایک اہم ستون یعنی سائنس کو اپنانے میں اب کوئی رکاوٹ نہیں رہی ہے۔

یوروپین تہذیب کا دوسرا اہم رکن مشرقِ وسطیٰ کے مذہبی تصورات ہیں۔ مسلمانوں کی دیومالا بھی حضرت عیسیٰ تک تو وہی ہے جو یورپ کے لوگوں کی، سزا اور جزاء کا تصور بھی وہی ہے اور روزِ قیامت بھی دونوں جگہ مشترک ہے۔ تثلیث اور وحدانیت میں اتنا بُعد نہیں ہے جتنا کہ ان کے ناموں سے ظاہر ہوتا ہے۔ یورپ اور مسلمانوں میں مذہبی اختلافات میں صلیبی جنگوں کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ اب تو ان جنگوں کو ختم ہوئے صدیاں گزر گئیں اس لیے عیسائیت اور اسلام میں اتنی مذہبی دوری تو نہیں ہونا چاہیے جتنی آج سے پانچ چھ سو سال قبل تھی۔ قانون کا تمام باشندوں پر یکساں اطلاق، رومن قانون اور اسلامی شریعت دونوں جگہ موجود ہے اس لیے یوروپین تہذیب کے اس ستون کے بارے میں آپس میں بہت اختلاف نہیں ہے۔

رہ گئی جنسی بے راہ روی، سو یہ تو ہر تہذیب میں ملتی ہے اور کوئی بھی بے اعتدالی کو نہیں سراہتا۔ میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یوروپین تہذیب اور جنسی بے راہ روی ہم معنی نہیں ہیں۔ یوروپین تہذیب کو جو چیز قدیم تہذیبوں سے ممتاز کرتی ہے وہ ہے شخصی اور قومی آزادی، مساوات اور اخوت کہ یہی تین نعرے فرانس کے انقلابیوں نے اٹھارہویں صدی میں لگائے تھے اور انہی کی گونج ساری دنیا میں سنائی دیتی ہے۔ ان میں سے کوئی بات بھی ایسی نہیں ہے جو مسلمانوں کے لیے ناقابلِ قبول ہو۔ آخر انھیں بھی تو یہی باتیں سکھائی گئیں

Marfat.com

تھیں۔ مغربی تہذیب کی وہ صورت جو نوآبادیاتی تہذیب کی شکل میں فاتح اقوام نے مشرق والوں پر تھوپی تھی وہ ختم ہو چکی ہے اور اب دوبارہ کبھی واپس نہیں آئے گی۔ یوروپین تہذیب کے پسندیدہ پہلوؤں کو آپ ومبلڈن کے ٹینس مقابلوں، اولمپکس کھیلوں، اقوام متحدہ کے جلسوں، نوبل انعام یافتہ لوگوں کے جھرمٹ، تپ دق، آتشک اور طاعون جیسی موذی بیماریوں پر قابو پانے والے ڈاکٹروں کی مجلس اور ہوابازوں اور خلابازوں کی محفلوں میں دیکھیے۔ اب یہ تہذیب مغربی نہیں عالمی ہو گئی ہے اور مسلمانوں کی بھلائی اسی میں ہے کہ وہ جلد از جلد اس میں اپنے لیے باعزت جگہ بنا لیں۔

کہیں اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ میں اہل مغرب کے رسم و رواج، آداب مجلس اور خورد و نوش کو زبردستی اقوام مشرق پر تھوپنے کی وکالت کر رہا ہوں۔ حاشا و کلا۔ تہذیب کے یہ ظاہری مظاہر تو ہر جگہ الگ الگ ہوں گے۔ مجھے ہرگز یہ منظور نہیں کہ اپنے یہاں کے کھانے، اردو فارسی کی غزلیں، قوالی کی محفلیں، دادرا، ٹھمری اور کتھک کے رقص ختم کر دیے جائیں اور صرف موزارٹ، شوپین کی موسیقی، شیلے اور کیٹس کے نغمات سنے جائیں۔ مطلب یہ ہے کہ تہذیب کا روپ ہر جگہ مقامی ہوگا لیکن اس کی روح عالمی ہوگی اور یہ خدا کی تمام مخلوق کو ایک رشتہ میں پرو دے گی۔

••

Marfat.com

سری کنور پال سنگھ

شعبہ ہندی، مسلم یونیورسٹی

میں نے سید حامد صاحب کی کتاب دو دن پہلے دیکھی اور جہاں تک میں اس کتاب کو سمجھ سکا ہوں انہوں نے اکونومک پروبلم، پولٹیکل پروبلم، ایجوکیشنل پروبلم اور نئی چنوتیوں کا مقابلہ، نئی دنیا، نئی چنوتیاں، سائنس، ٹکنالوجی، میڈیا اس میں کیسے مسلمان React کر رہا ہے، اور ظاہر ہے کہ جب وہ یہاں تھے، اس لیے کہ دوستوں کو تعجب ہو رہا ہوگا کہ میں یہاں کیوں؟ لیکن سید صاحب کی کتاب کی اور سید صاحب جانے سے پہلے برابر مجھ سے کہتے تھے آپ جیسے لوگوں کو مسلمانوں کے مسائل پر بات کرنی چاہیے اور حصہ لینا چاہیے اس لیے بڑی دلچسپی سے میں نے یہ کتاب کچھ پڑھی اور کچھ دوستوں کی مدد سے سمجھنے کی کوشش کی ہوریلٹی ہے اس کا انیلا ئسس اس میں میری نظر میں بہت اچھا ہے اور دو تین باتیں ایسی انہوں نے کہی ہیں جو ہمارے دل میں بھی ہیں۔ اور ہم بھی یہ فیل (محسوس) کرتے ہیں۔ انہوں نے یہ کہا کہ 'یدھ پر' وار پر' اس کی تیاری پر جو پیسہ خرچ کیا جا رہا ہے وہ صحیح نہیں ہے اور وہ پیسہ اگر ویلفیر کے لیے استعمال کیا جائے تو وہ پیسہ ہندوستان کے لوگوں کی ترقی کے لیے اچھا ثابت ہوگا، مجھے نہیں معلوم کہ یہ جو ڈیفینس کے اوپر تمام بحث ہے اربوں روپیے کی کمیشن کھانے کی جو چیزیں سامنے آتی ہیں سید صاحب نے جب یہ مضمون لکھا تھا تب یہ چیزیں سامنے تھیں یا نہیں، پر میں سمجھتا ہوں کہ ہر ہندوستانی کو اس پر غور کرنا چاہیے، آواز اٹھانی چاہیے کہ یہ کس طرح کی دیش بھکتی ہے کہ جنتا کی گاڑھی کمائی جوان کے ایجوکیشن، ان کے Welfare یا ہندوستان کے غریب لوگوں کی حالت سدھارنے میں استعمال ہو سکتی ہے وہ اس طرح کے چند لوگوں کے بینک اکاونٹ بڑھانے میں کیوں استعمال ہو رہی ہے۔ اور میرے کئی دوست یہ کہتے ہیں کہ یہ صحیح ہے کہ ڈیفنس پر اتنا پیسہ خرچ نہیں ہونا چاہیے کیوں کہ آپ اس کو وار کے لیے تیاری کر کے، پھر لڑائی لڑیں گے اور ہمارے تمام دوستوں کی یہ پروبلم ہے۔ سید صاحب نے دلیری کے ساتھ اس پروبلم کو اٹھایا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس پر ایک کھلی ڈبیٹ ہونی چاہیے، ہندوستان جیسے غریب ملک کو ڈیفنس پر کتنا خرچ کرنا چاہیے، یدھ پر کتنا خرچ کرنا چاہیے، یدھ کی تیاریوں پر کتنا

135721

خرچ کرنا چاہیے، اور یہ جو ایک وار سائیکلوجی ہے اسے کس طرح سے روکنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس لیے سید صاحب مسلمانوں کے مسئلوں سے آگے بڑھ کر پورے ہندوستانی قوم کے مسئلوں پر آتے ہیں۔

سید صاحب نے ایک بات اور کہی ہے کہ اس ملک کی Economy power چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ گئی ہے۔ اس لیے ہندوستان کے لوگ غریب ہیں، اور وہ چاہتے ہوئے بھی اپنی حالت کو سدھار نہیں سکتے۔ ایک کہاوت ہے، ہمارے مدھیہ پردیش میں ——— ایک کسان سے کسی نے یہ کہا کہ بھئی دیکھو، پیسہ پیسہ کو کھینچتا ہے، اس لیے یہ کوشش کرو کہ تمہارے پاس بھی جو کم پیسہ ہے اس سے کچھ پیسہ اور آئے، وہ شہر گیا اپنی چاندی کے سکے لے کر جو اس کی گاڑھی کمائی کی تھی، اور ایک بڑے بیوپاری، ایک بڑے سرمایہ دار کی طرف اس نے پیسے پھینکنے شروع کیے، اور سڑک پر کھڑے ہو کر انتظار کرنے لگا۔ سرمایہ دار نے کہا بہت دیر سے کیا دیکھ رہے ہو، کیا کر رہے ہو؟ اس نے کہا، صاحب میں نے سنا تھا کہ پیسہ پیسے کو کھینچتا ہے میں نے کچھ پیسہ ادھر پھینکے ہیں، ہو سکتا ہے کچھ پیسے لے کر وہ لوٹیں۔ انہوں نے کہا تم نے آدھی بات سنی۔ ہے یہ کہ جب زیادہ پیسہ ہو تو وہ تھوڑے پیسے کو کھینچ لیتا ہے اور اس لیے تمہارے جیب خالی ہو گئے میرے زیادہ پیسے کچھ اور بڑھ گئے۔

سید صاحب نے ظاہر ہے کہ اس مسئلے کو (Elaborate) ایلیبوریٹ نہیں کیا لیکن اس کو اشارہ دیا ہے، کہ یہ جو اکونومک پاور ہے اسے استعمال کون لوگ کرتے ہیں، پولیٹیشین، بیوروکریٹ، بڑے لوگ، یہ لوگ اس لیے استعمال کر رہے ہیں، اپنے انٹرسٹ میں! اور ہندوستان کے غریب لوگوں کو کچھ نہیں مل رہا ہے۔ یہ سوال اس کتاب میں اٹھائے ہیں۔ اس لیے میں تو یہ گذارش کروں گا، عابد رضا بیدار صاحب سے، کہ یہ کتاب جلد ہی ہندی میں آنا چاہیے اور اس پر ایک نیشنل ڈیبیٹ ہونا چاہیے کہ ہندوستانی مسلمانوں کے ساتھ ساتھ سید حامد صاحب نے پورے ملک کے غریبوں کو اپنی حالت سدھارنے والے لوگوں کے لیے جو لڑائی لڑ رہے ہیں بہتر سماج بنانے کے لیے، وہ مسئلے انہوں نے ہمارے سامنے پیش کیے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ریلٹی Reality کو سامنے پیش کرنا بھی کم کرانتی کاری کام نہیں ہے، ظاہر ہے کہ جو حل دیے ہیں سید صاحب نے، میرا اس سے ایگریمنٹ نہیں ہے کیونکہ ہمیں یہ ضرور دیکھنا چاہیے کوئی کہتا کیا ہے لیکن اصل سوال یہ ہے وہ کرتا کیا ہے، ہمارے رولنگ پارٹی کے لوگ بھی بہت اچھی باتیں پچھلے چالیس سال سے کر رہے ہیں۔ اور میرا خیال ہے کہ، جب بھی کوئی بڑا دنگا ہوتا ہے تو مائنورٹیز کے لیے کچھ، ان کے ویلفیر کے لیے کچھ

Marfat.com

اسکیم یو پی میں کھل جاتے ہیں - میرٹھ کے دنگوں کے بعد آپ نے سنا ہوگا، پڑھا ہوگا کہ ہمارے چیف منسٹر صاحب نے مائنورٹیز کے لیے اور کچھ ۳۰ لاکھ روپے اور کچھ بڑھا چڑھا کر کچھ چیزیں شروع کی ہیں، ظاہر ہے کہ یہ دکھاوے کی باتیں ہوتی ہیں، پریکٹس کی باتیں اور ہوتی ہیں - اتہاس کے لیے یہی ٹھیک ہے کہ جو چیزیں ہمارے کام کی نہیں ہیں، جو چیزیں ہمارے ریل Real مسائل کا حل نہیں کر سکتی ہیں، ان مسائل سے ان چیزوں کی اور پھر لوٹنا پریم چند کے شبدوں میں آزمائے کو آزمانا کوئی بہت سمجھداری کا کام نہیں ہے۔

دوسری بات، وہ نئی چنوتیوں کا مقابلہ کرینگی، اور اس میں مسلمان کس طرح نئی چنوتیوں کا ری ایکٹ React کرتے ہیں انہوں نے اس پر بھی غور کیا ہے، اور یہ صحیح کہا ہے کہ اپنے آپ میں سکڑنا یہ کوئی مسئلے کا حل نہیں ہے، —— مسلمان نئی، چنوتیوں، کا نئی ٹکنالوجیوں کا مقابلہ زیادہ تر نہیں کر رہا ہے اور اپنے آپ میں سکڑ رہا ہے - اس نے اس کے اندر ایک طرح کی لبرل ایٹی ٹیوڈ Libral ATTITUDE کے بجائے ایک کنزرویٹزم Conservatism پیدا ہو رہا ہے - یہ سید صاحب کے شبد ہیں جو میں اپنی زبان میں آپ کے سامنے عرض کر رہا ہوں۔

اور Conservatism سے کوئی بڑا کام نہیں ہو سکتا ہے، دنیا میں کسی بھی Conservative آدمی نے جو صرف چھوٹے دائرے میں سوچتا ہے —————— کوئی بڑا کام نہیں کیا ہے، گھونگھا ندی میں رہتے ہوئے بھی ندی کے بڑپن ندی کے گن انجوائے Enjoy نہیں کر پاتا ہے۔ سائنٹفک ایٹی ٹیوڈ سائنٹفک ڈولپمنٹ scientific development پھر سید صاحب مسلمان کے پچھڑے پن کی بات، ایجوکیشن میں پچھڑے پن کی بات کہتے ہیں - اور یہ صحیح بات ہے، ظاہر ہے کہ سب سے غریب طبقے جو ہندوستان میں تلاش کئے جا سکتے ہیں تو ان میں مسلمان کافی ہیں اور ایجوکیشن میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہے، ظاہر ہے کہ مڈل کلاس جو ہم علیگڑھ میں دیکھتے ہیں، ہندوستان کے بیشتر شہروں میں قصبوں میں وہ کھاتا پیتا مڈل کلاس دکھائی نہیں دیتا۔

تو یہ مسئلے سامنے کے مسئلے ہیں، لیکن ان کا حل کیسے ہو - میں سید صاحب کی بات کو آگے بڑھاتا ہوں کہ یہ مسئلے ان تمام لوگوں کے ساتھ مل جل کر ہی حل کیے جا سکتے ہیں، اکیلے اکیلے لڑائی نہیں لڑی جا سکتی۔ چالیس سال سے لوگ لڑائی لڑ رہے ہیں، اور ان لڑائی کا کوئی نتیجہ چند لوگوں کا ویلفیر ہو گیا، لیکن مسلمان اور غریب طبقہ دار کا کوئی

بھلا نہیں ہوا چاہے کوئی اکیڈمی بنے چاہے یوپی سرکار یا سنٹر کچھ بنا دیں، چند لوگوں کے مسئلے وہ حل کر دیتے ہیں، لیکن نہ اردو کا مسئلہ حل ہوا نہ اکونومک کنڈیشن بہتر کرنے کا مسئلہ حل ہوا، نہ یہاں کے ہریجن کا مسئلہ حل ہوا انڈیویجول individual سے نکل کر جب تک کہ یہ اندولن نہیں بنے گا، جب تک لاکھوں لاکھ لوگ، جو صحیح دشا میں سوچتے ہیں اس میں شریک نہ ہوں گے کوئی حل نہیں، اور یہ مان کے چلئے کہ ہندوستان کے کروڑوں لوگ صحیح دشا میں سوچتے ہیں، جس دن آپ نے یہ امید کھو دی کہ کروڑوں لوگ صحیح دشا سے نہیں سوچتے کیوں کہ ہم سوچتے ہیں تو سمجھیے کہ وہ فیوچر Future ڈارک Dark ہے۔ میرٹھ کی بات، میں تو اندر سے ہل گیا۔ سب سے زیادہ ڈیموکریسی اور سیکولرزم کی ضرورت ہندوستان کی مائنوریٹیز اور ورکنگ کلاس کو اور رولنگ کلاس کو ہے ...، اسی لیے ان دو ویلوز Values کو جب تک ہم وہ لوگ جو ایک ساتھ چلتے ہیں، مل جل کے ڈیموکریسی اور سیکولرزم کی حفاظت ہونی چاہیے اس میں ہندوستان کی، مائنوریٹیز جب تک لیڈ Lead نہیں لیں گی تو ہندوستان میں جس طرح سرکاری کیمونلزم پھیل رہا ہے، جس طرح سرکار کی اُدھر سے یہ چیزیں ہو رہی ہیں، تب تک ہندوستان میں، ظاہر ہے کہ ڈیموکریسی محفوظ نہیں رہے گی، سیکولرزم محفوظ نہیں رہے گا یہ پولس اسٹیٹ بنے گی، تو سب سے زیادہ نقصان یہاں کی مائنوریٹیز اور ورکنگ کلاس اٹھائے گی۔ سید صاحب تھوڑا سا اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ میری یہ رائے ہے کہ ان لاکھوں لاکھ لوگوں کے ساتھ مل کے، جو ہندوستان میں سیکولرزم لانا چاہتے ہیں، جو ہندوستان کے دبے کچلے، پچھڑے لوگوں کے ساتھ مل کر لڑائی لڑنا چاہتے ہیں، اپنے مسائل میں انہیں بھی شامل کیجیے، اور تبھی یہ کارواں آگے بڑھے گا، بڑا ہوگا، بات والا ہوگا، اور سید حامد صاحب جو مشعل جلا رہے ہیں وہ مشعل لاکھوں لاکھ لوگ جب تک نہیں جلائیں گے یہ بڑے مسئلے حل نہیں ہوں گے۔

●●

ڈاکٹر مظہر علوی

یہ جو کہا گیا ہے کہ اردو زبان صرف مسلمانوں کی زبان نہیں ہے، یہ بہت حد تک صحیح ہو سکتا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک حقیقت سے انکار ہے اور اسمیں تھوڑا سا مکر بھی شامل ہے۔ ہندستان کے بیشتر مسلمانوں کی زبان اردو زبان ہی ہے لیکن آج بدقسمتی سے وہی زبان خود اس منزل پر جا پہنچی ہے کہ میں اپنے گھر کے اندر اجنبی ہوں۔ میں اردو بولتا ہوں میرے بچے اردو سمجھتے نہیں۔ میرے پاس اگر کوئی سرکاری کاغذ آتا ہے تو مجھے اپنے بچوں کو بلا کر پڑھوانا پڑتا ہے۔ اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ میں اردو اور کسی دوسری زبان کے درمیان کوئی تقابل یا تصادم پیدا کرنا چاہتا ہوں، لیکن میں اس کی بنیادی ذمہ داری خود مسلمانوں کے اوپر رکھ کر یہ بات کرنا چاہتا ہوں کہ اگر ہم کو اپنی آئیڈنٹیٹی، اپنا تشخص اور اپنی انفرادیت برقرار رکھنی ہے تو اپنی آئیڈنٹیٹی کی جو بنیادی چیز ہے وہ ہے ہماری تہذیبی اور ثقافتی اکائی، اس کو ہمیں برقرار رکھنا ہوگا، اور اس کی بنیاد ہے اردو زبان۔ ہم اس سلسلے میں دنیا بھر کے اوپر یہ الزام عائد کرتے چلے آئے ہیں کہ حکومت نے یہ نہیں کیا، حکومت نے وہ نہیں کیا، لیکن میں پوچھتا ہوں آپ نے کیا کیا؟ ہماری آپ کی اردو دانی اس مکتب کی پیداوار ہے جس کے اندر ہم الف ب ت کا قاعدہ پڑھنے جاتے تھے۔ آج وہ مکتب ختم ہو چکے ہیں اس لیے کہ سب سے پہلا مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ مسلمان بچے کو نرسری میں کون سے اچھے سے اچھے انگریزی اسکول میں داخل کیا جائے۔ لیکن ہم نے آج تک یہ نہیں سوچا کہ وہ الف ب ت جو وہ پڑھتا تھا، ہماری تمام ثقافت، ہمارے اخلاق، ہمارے کلچر، ہماری زندگی، ہماری زبان کی بنیاد وہیں تھی۔ تو یہ بہت بڑا مسئلہ ہے جس کی جانب توجہ دینے کی ضرورت ہے اور یہ کہ ہماری زبان، ہمارا کلچر کن الفاظ پر قلمبند ہوتا ہے۔

●●

Marfat.com

ڈاکٹر اقبال احمد انصاری

شعبۂ انگریزی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

مسلمان جو بھی بھلے برے جس درجے اور جس حیثیت کے ہیں پبلک لائف میں کوئی نہ کوئی حصہ لے رہے ہیں
سیاسی جماعتوں میں یا سیاسی جماعتوں کے باہر۔ اس میں کچھ علمار بھی ہیں اور کچھ جدید طبقے کے بھی ہیں۔ لیکن بہرحال ان
کے ذہن میں فوری جو دائرہ کار ہے اور انکا جو فکری سانچہ ہے وہ فوری عمل کا، اور فوری جو مسائل ہیں ان کے ایڈہاک
حل کا ہے۔ دوسرا طبقہ جو دانشگاہوں سے وابستہ ہے یا ہمارے جو مستند دانشور ہیں ان میں اسوقت جو موجود ہیں دونوں جناب
سیدین صاحبان مقیم اور مسافر دونوں ان سب سے میں یہ عرض کروں کہ دو نکتے ہیں۔ ایک
مسلمانوں کے مسائل کا تجزیہ اور اس پر Consensus اور دوسرے، عمل درآمد، دو طبقے
اس وقت ہیں ایک تو وہ جو پبلک لائف میں ہیں، چاہے وہ سیکولرزنگ کی پارٹیوں کے اندر ہوں یا پارٹی کے باہر یا علما
دوسرا جو دانشگاہوں میں ہیں تو کبھی کبھی یہ ہوتا ہے کہ یہ دونوں کے درمیان جو خلیج ہے یعنی یہ رائے کی خلیج تو
وہ بیانات کی شکل میں آئی ہے بیس پچیس تیس یا آٹھ دس کے دستخط سے دوسرے موقف سے ہٹ کر ایک بیان نکلا تو دوسرا بیان
ایک صاحب نے جن کا نام نہیں لوں گا لیکن بہت اہم رول اس وقت مسلمانوں کے پبلک لائف میں ادا کر رہے
ہیں، کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ ________ وہ سب لوگ جو مسلمان ہونے سے شرمندہ
نہیں ہیں چاہے وہ کمیونسٹ بھی ہوں انمیں ان کو بھی شامل کرتے ہوئے ایسے لوگوں کو وقتاً فوقتاً
مسائل سے جن سے سابقہ رہتا ہے Interact کرنے کا موقع ملے تو شاید یہ ہو کہ یہ نوبت بھی آجائے کہ ایک موقف
جو سمجھا جاتا ہے کہ ملت کا ہے اور جس میں مجھے خود نقائص اکثر نظر آتے ہیں کچھ نہیں تو طرز بیان اور اسلوب اظہار
میں ہو جاتا ہے اگر Contention بیں نہیں۔ اور دوسرا ہوتا ہے جو دانشور سمجھے جاتے ہیں، تو انھوں نے خود یہ
لکھا، شکایت کی مجھ سے اور مجھے محسوس ہوا میں دلی گیا تھا کچھ لوگوں سے بات ہوئی کہ ایسا ہو کہ اگر مجلس
مشاورت کی ایک CONSTITUENCY انہی حضرات پر ہو جیسے کہ سابق وائس چانسلر یہاں کے دو تین
جو اس وقت دلی میں ہیں اور جے۔ این۔ یو، دلی، جامعہ اور ہماری یونیورسٹی کے جو بھی نمایاں لوگ یعنی پڑھے
لکھے سمجھے جاتے ہیں، جان و مال کے تحفظ کے سلسلے میں سید صاحب نے فرمایا ہے جو اس پر ذرا سی توجہ یہ بھی کہ جو بات

Marfat.com

میں کہہ رہا ہوں اس میں کچھ سوچنے کا انداز ذرا سا نیا شاید آپ کو محسوس ہو تو یہ مسلم پلیٹ فارم سے نہیں ملتا اس لیے میں کہہ رہا ہوں اور وہ یہ ہے کہ یہ تو منزہ ہو چکا ہے مثلاً سب سے زیادہ متفن چکرورتی نے جو مضمون لکھا تھا میرٹھ کے فساد پر جس میں یہ الفاظ ہیں کہ یہ

DOES THIS NOT REMIND ONE OF

THE CZARIST PROGRAMME AGAINST THE JEWS

یہ الفاظ ہیں مضمون کے۔

Clear case organised strength of the State : going onto cool-blooded calculation to ri@d and round up a group of citizens, them away, shoot them while in custody and throw the bodies into the river.

تو یہ بھی ایک رپورٹ آپ لوگوں کو میرٹھ کے بارے میں اتنی منزہ ہو گئی ہے۔ پولس نے جو بربریت کے پہاڑ توڑے ہیں تو شری چندر شیکھر نے یہ کہا تھا کہ ان کی سیاسی زندگی کا سب سے زیادہ لرزہ خیز واقعہ ہاشم پور کے اس نوجوان کو دیکھ کر ہوا تھا جو آپ سب کے علم میں ہے کہ کیسے وہ ندی سے بچ گیا تھا مرنے سے۔ تو کہنا یہ چاہتا ہوں کہ اس وقت ______ آپ لوگوں کو وہ دکھ میں دوبارہ یاد دلانا نہیں چاہتا۔ مقصد یہ ہے کہ یہ ہے P.A.C. کا کردار علیگڑھ میں جو فساد ہوا تھا اس کا جائزہ میں نے کرفیو پاس بنوا کر جو میں نے یہاں تحقیق کی تھی پھر بعد میں مرارجی ڈیسائی پرائم منسٹر تھے ایک وفد لے کر گیا تھا، یہاں کے ایس ڈی او جو انچارج تھے، انھوں نے تسلیم کیا تھا کہ یہ EXCESS ہوئے ہیں پہلی بار پارلیمنٹ میں وہاں انھوں نے یہ بتا دیا تھا کہ P.A.C. نے EXCESS کیے ہیں اور اس کی کمیونل کمپوزیشن بتلایا تھا اس کے بعد سے مراد آباد میں، بارہ بنکی میں اور الہ آباد اور میرٹھ میں دونوں بار سن ۸۲ء میں اور اس بار بھی یعنی پی اے سی کے cool blooded calculated massacre, butury murder پر خود ہندو صحافیوں، زعما نے بار بار یہ بیانات متحقق دیے ہیں۔ لیکن میں جو بات کہنا چاہتا ہوں وہ دو ہیں۔

ایک تو یہ کہ P.A.C. پرسن ۸۲ء کے میرٹھ کے فساد کی رپورٹ، این۔ سی سکسینا صاحب اس وقت جوائنٹ سکریٹری تھے مائنوریٹیز کمیشن کے، اس حیثیت سے وہاں گئے، اور انھوں نے پوری تحقیقات، ۷ صفحات میں، جو پبلش نہیں ہوئی، میرے پاس فوٹو کاپی اتفاق سے مل گئی ہے اس میں انھوں نے ایک بات بہر حال تفصیل سے دکھلائی ہے یعنی اس کا پورا لب و لباب ایک آدمی یعنی غیر مسلم کی موت بالکل MYSTERIOUS CIRCUMSTANCES میں ہوئی تھی جو DRUG-ADDICT تھا لیکن اس کے کچھ دن پہلے سے ماحول ایسا تھا کہ ایڈمنسٹریشن کا

Marfat.com

یہ فیصلہ تھا کہ ان کے الفاظ ہیں کہ They have to teach the Muslims a lesson اور
اس کے نتیجے میں All ills that followed from this premises "فیروز بلڈنگ میں یہ جو ملیانہ
اور ہاشم پورہ میں ہوا تھا، بعینہ یہی شکل فیروز بلڈنگ جو دو منزلہ ایک ہاؤزنگ کمپلکس Lower income.
گروپ کے مسلمانوں کی ہے وہاں پر غالباً بیس پچیس یا اس سے زیادہ، یہ سب بہت سے جرنلسٹس نے بھی رپورٹ
کیا تھا انھوں نے یہ کہا کہ اس کے پیچھے یہ نہیں ہے P.A.C. میں بالکل ایک ______________
Direction of the administration تھا بلکہ Destruction of human life
اب میرا احساس یہ ہے کہ Direction of the State administration under Political direction.
ظاہر ہے کہ پولس فورس ڈائرکشن پر کام کرتی ہے State administration بھی اسی طرح کام کرتا ہے۔
قابل توجہ بات یہ ہے کہ OVERALL DIRECTION ہر کام میں نہ سہی لیکن over all ______________
آپ لوگ اور ہم بھی جو دہراتے ہیں مطالبہ کہ پندرہ بیس پچیس تیس جتنی بھی ہو جائے، مائنوریٹیز فورس میں
بھرتی ہوں تو مسئلے کا حل ہے میرا خیال ہے صحیح نہیں ہے۔ ایک تو اس کا کیریکٹر خود P.A.C اس کا ORGANIZAT-
IONAL STRUCTURE پوری فلاسفی P.A.C. کی جب تک نہیں بدلے گی کچھ نہیں ہوگا۔ دوسری ایک اس
سے زیادہ اہم بات ہے وہ یہ ہے کہ یہی P.A.C. جو مسلمانوں کو ان فسادات میں ان جگہوں پر نشانہ بنا
چکی ہے آپ حضرات کے ہو سکتا ہے حافظے میں اس وقت نہ ہو پچھلے دس سال میں کم سے کم پندرہ بیس جگہ،
کانپور سودیشی کاٹن ملس میں وہ ایک مزدوروں کے ازدحام کو سو سے زیادہ کو آدھے گھنٹے میں بھون کر رکھ
دیا گیا تھا، پنت نگر ایگریکلچر یونیورسٹی میں ایک اسٹرائک کے موقع پر اسی طریقے سے کافی بڑی تعداد میں، آگرے
میں ایک بار ہوا تھا، اروَل میں بھی ابھی حال میں ہوا ہے، تو اس سے بھی اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ
P.A.C ایک INSTRUMENT ہے اور حکومت اسکو اسی طرح رکھنا چاہتی ہے۔ ان سب باتوں کے اظہر من الشمس ہونے
کے باوجود اپنے پاور کو جو ILLEGITIMATE POWER ہوتا ہے اس کو CONSOLIDATE کرنے اور
اس کو برقرار رکھنے کے لیے۔ یہ بات کنور پال سنگھ نے جو کہی تھی اس کے تجزیے کے لیے کہہ رہا ہوں، نتیجہ اس کا
شاید دوسرا ہوگا، لیکن آپ سن لیں یعنی وہ یہی ہے کہ P.A.C. کام کرتی ہے ایک ORGAN OF
TERROR کے طور پر اور اس لیے وہ WEAKER SECTIONS چاہے وہ ورکرس ہوں PEASANTS

Marfat.com

ہوئی آدمی واسی ہوں ہریجن ہوں اور جب وہ PROTOLIZED ہو چکی ہے تو کبھی کبھی کاسٹ کے ساتھ
بھی جب ضرورت پڑے تو کے اظہار کے طور پر وہ کر سکتی ہے۔
مسلمان اگر صرف یہ سمجھتے ہیں کہ P.A.C. میں مسلمانوں کی اعداد تناسب بہت کم ہے اسلیے ہو رہا ہے تو بالکل غلط ہے۔
اصل چیز دیکھنے کی یہ ہے کہ پورا اسٹیٹ اسٹرکچر، پورا ایڈمنسٹریشن اینڈ گورننس ملک کا۔ REPUBLICAN CO-
NSTITUTION ہوتے ہوئے یہ IMPACT وہ BRITISH COLONIAL POWER نے
یہاں ترکہ میں دیا تھا، چنانچہ یہاں میں خود کہہ رہا ہوں FUNDAMENTAL RIGHTS اور اس طور پر جتنے بھی
رائٹس ہیں EQUAL CITIZENSHIP کے وہ کہاں تک فورس میں ہیں۔ RIGHT OF
REDRESSAL ہونے کے باوجود MANUAL BOOKS میں جتنے رولس ریگولیشنس ہیں ان سے گورننس
ہوتی ہے جیلوں کی کچہریوں کی، دفتروں کی اس یونیورسٹی کے بھی دفتروں کی وہ IMPACT ہیں بالکل اسی طریقے
سے جو کسی INDEPENDANT ملک میں تھے۔ کوئی تبدیلی کا کسی سیاسی جماعت نے کوئی مطالبہ نہیں کیا ہے، مثلاً آپ جانتے
ہیں کہ ایک ویگرنسی لا ہے جو کسی ویلفیر اسٹیٹ کے لیے شرم ہے یعنی Any person found in under
suspicions circumstances and without any option of livelihood

تو ایسے آدمی کو ویلفیر اسٹیٹ جو اپنے ملک کی جمہوری ریاست ہے تو اس کو تو نان نفقے کا انتظام اس کے ذمے
کرنا چاہیے تھا، اچھا اسی طریقے سے جو تفریق سزاؤں میں بھی اور جیل میں بھی ہوتی ہے اور یہ جو روزمرہ کی
ایڈمنسٹریشن ہے کچہری ہے، دفتر ہے ان سب جگہوں کیلئے یہ مفروضہ ہے یہ منظلوم ہوتا ہے جو سٹیزن ہے اس کا
کوئی حق نہیں ہے دوسرے وہ INNOCENT نہیں ہے بلکہ گلٹی ہے جب تک یہ اپنی INNOCENSE
______ کورٹ میں ثابت نہ کر دے یہ بات ذرا سی پھیل گئی ہے۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ
ایک یہ ANALYSIS ہے: ابھی کیا حال ہے، حد یہ ہے کہ پی۔ اے۔ سی instrument ہے آپریشن
کا، TYRANNY کا اور اس کو POWERS جو ہیں POLITICAL ہیں، اسلیے کہ میں بے بس ہوں میں آپ سے
چاہوں گا کہ اس کا متبادل تجزیہ آپ بتلائیں۔ میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ یہ مثلاً میں نے خود دیا تھا، جو میں نے کہا کہ سن ۷۸
میں مرارجی ڈیسائی سے بات ہوئی اس کے بعد سے ابتک نو دس سال میں پچیس تیس جگہوں پر جو کچھ ہوا کیوں اثر
نہیں ہوتا اثر اس لیے نہیں ہوتا۔

Marfat.com

ہاں تو یہ پہلو اصل میں مسلم پلیٹ فارم سے کامن کاز جو میں بتا رہا ہوں تو نتیجہ یہ ہے کہ اس وقت HUMAN RIGHT BODIES میں کوئی REVOLUTION کی کال نہیں دینا چاہتا ہوں میں نتیجہ یہ نکال رہا ہوں کہ سیاسی جماعتوں سے ہمیں امید نہیں ہے، وہ بوٹی سسٹم میں اپنا حصہ لینے کے لیے کشمکش کرتے رہتے ہیں افراد ہو یا factions ہوں، اخبار میں کچھ دیر کیلیے یہ سنسنی ہمیں ضرور ہوتی ہے کہ یہ بڑا ایماندار ہے۔

اچھا تو کہنا یہ چاہتا ہوں کہ دیکھیے اب آمدم بر سر مطلب اگر تجزیہ یہ صحیح ہے تو ہمارے ملک میں کافی جو انجمنیں ہیں جو انسانی حقوق کی انجمنیں۔ Peoples Unions for civil liberties کی جو Union for democratic right اور اسی طرح CITIZENS FOR DEMOCRACY ان کا COMMITMENT HUMAN RIGHTS کے لیے بالکل GENUINE ہے۔ ان کی فسادات دلی کی رپورٹ جو ٹی میں ہوا ابھی اس وقت AVAILABLE ہے، یہ بہت اچھی ہے تو بات یہ ہے کہ یہ وہ پلیٹ فارم ہے مسلمانوں کی بدقسمتی یہ ہے کہ Peninsularity جزیریت، جیسا کہ بہت اچھا لفظ سید حامد صاحب نے دیا ہے میرا تعلق، تھوڑا ان جماعتوں سے ہے کہیں نہیں ملتے وہ مسلمان اپنے PRESENSE کو محسوس کرائیں اور وہاں تب یہ مسئلہ، آدیباسیوں کا ورکرس کا ہندو کی پچھڑی ذاتیوں کا اور مسلمانوں کا۔ Against the operation of any instrument آپ کبھی اس کے ... تو میں یہ سمجھتا ہوں یہ وہ DIMENTION ہے جو عام طور پر مسلمان نہیں سوچتے۔ وہ جو میری درخواست تھی INTERACTION والی اس کو میں آخر میں پھر کہوں گا کہ یہ ذہن میں رکھیں کہ لوگ جو پبلک کے میدان میں کام کرتے ہیں، کوئی ایسا ایک مستقل مشینری ہونی چاہیے، یہ نہیں کہ ایک بار، اتفاقاً، ایک جگہ مل جائیں۔

●●

ڈاکٹر محمد حسن

ہندوستانی مسلمان کیا اور کدھر؟

ہندوستانی مسلمان عصری دستاویزات کے آئینے میں، شائع کرنے کے لیے، اور علیگڈھ کو ۱۹۸۰ء سے ۱۹۸۵ء تک کے آئینے میں دیکھنے دکھانے کے لیے خدا بخش لائبریری کو مبارک باد کہ یہ بھی ان اچھے کاموں میں سے ایک ہے جو اس ادارہ کی سرگرمی میں انجام پذیر ہوا۔ دو شخصیتوں کی تحریروں کے حوالوں سے بھی یہ کتاب خالی تھی اور یہ دونوں شخصیتیں ایسی ہیں جن کے بغیر اس دور کے مسلمانوں یا علی گڈھ کے مسائل کو سمجھنا دشوار ہے ایک ہیں رشید احمد صدیقی اور دوسرے کنور محمد اشرف ظاہر ہے کہ یہ دونوں ۱۹۸۰ سے ۱۹۸۵ کے دور میں نہیں آتے مگر ان کے افکار کا تذکرہ ضروری تھا۔

علی گڈھ کے بارے میں مجھے نہیں کہنا ہے البتہ ہندوستانی مسلمانوں کے بارے میں ضرور دو باتیں کہوں گا جن کا تعلق بیدار صاحب نے علی گڈھ سے میرے نزدیک کسی قدر مبالغے کے ساتھ اس طرح قائم کر دیا ہے کہ "علی گڈھ فکری سطح پر ہمیشہ کی مانند آج بھی اسلامیانِ ہند کے دل کی دھڑکن ہے اور ضمیر کی آواز" (صفحہ تین)

آزادی کے بعد کے علی گڈھ ـــــ بلکہ ہندوستانی مسلمانوں کے مرکزی مسئلے کو ذاکر صاحب کی زبانی اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ "مسلمانوں کو جو چیز متحدہ قومیت سے بار بار الگ کھینچتی ہے اس میں جہاں شخصی خود غرضیاں، تنگ نظری اور دیس کے مستقبل کا صحیح تصور قائم نہ کر سکنے کو دخل ہے وہاں اس شدید شبہ کا بھی بڑا حصہ ہے کہ قومی حکومت کے ماتحت مسلمانوں کی تمدنی ہستی کے فنا ہونے کا ڈر ہے اور مسلمان کسی حال میں بھی یہ قیمت ادا کرنے پر راضی نہیں" اگلے جملے میں ذاکر صاحب نے یہ بھی کہا ہے کہ "میں بحیثیت مسلمان ہی نہیں، سچے ہندوستانی کی حیثیت سے بھی اس پر خوش ہوں کہ مسلمان اس قیمت کے ادا کرنے پر تیار نہیں"

میری دشواری صرف یہ ہے کہ جسے مسلمانوں کی تمدنی ہستی کہا جا رہا ہے اور جس کا انگریزی ترجمہ CULTURAL IDENTITY کیا جا سکتا ہے وہ کیا ہے؟ اس کی نشاندہی کئے بغیر اسی کے سہارے جذباتی طوفان اٹھائے جاتے رہے

ہیں اور اٹھائے جا رہے ہیں۔

کیا وہ لباس ہے ؟ تو جس لباس سے مسلمانوں نے اپنی تمدنی پہچان بنائی تھی اسے ملک نے تو قومی لباس مان لیا یعنی شیروانی اور پاجامہ ـــــ کیا وہ داڑھی ہے ؟ سو اس پر ہندوستان میں کوئی پابندی نہیں بلکہ غیر مسلم بھی فیشن کے طور پر داڑھی رکھنے لگے ہیں ؟ کیا وہ مسجدوں میں اور گھروں میں نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے، کھلے عام اور اپنے خاندانوں میں عید منانے، محرم میں عزاداری کرنے، میلاد شریف کرنے اور مختلف مذہبی رسوم اور تہوار منانے کی آزادی ہے ؟ ان میں سے کسی پر کوئی پابندی نہیں۔ کیا وہ اپنے مذہب کے مطابق اپنے آبا و اجداد کے طریقے پر اسلامی نام رکھنے کی آزادی ہے ؟ سو وہ بھی حاصل ہے۔ کیا وہ قرآن مجید، حدیث شریف اسلامیات اور اسلامی تاریخ اور عالم اسلام کی ان زبانوں اور ان علوم کی تعلیم اور مطالعہ تمدنی ہستی ہے جس میں بقول ڈاکٹر بیدار اسلامیات عالم کی فکر کا انعکاس ہو ؟ کیا وہ ٹخنوں تک لٹکتا ہوا برقعہ ہماری تمدنی پہچان ہے یا پالکیوں میں سفر کرنے والی یا گھر کی چہار دیواری میں مقید پردہ نشین خواتین ہماری پہچان ہیں ؟ یا چار شادیاں کرنے کی آزادی ہماری تہذیبی شناخت ہے ؟ یا کچھ اور ! کیا سور کو حرام جاننا ہماری تمدنی پہچان ہے ؟ کیا فنون لطیفہ، رقص، مصوری، مجسمہ سازی کو حرام جاننا ہماری پہچان ہے ؟ کیا ذبیحہ کھانا اور اس پر اصرار کرنا ہماری تہذیبی ہستی ہے ؟ کیا گائے کا گوشت کھانا ہماری تہذیبی پہچان ہے ؟ اگر غور کیجیے تو اس طرح پردے کے نام پر ہم نے اپنی آدھی آبادی کو مفلوج کر رکھا ہے اور اسے مردوں کے لیے کاشت کی آئین بنا دیا ہے باقی آدھی آبادی سے زندگی کی آدھی نعمتیں چھین لی ہیں فنون لطیفہ کی برکتوں سے محروم کر دیا ہے اور تقریباً آج کی دنیا کے آدھے اہم پیشوں سے اور سہولتوں سے محروم کر رکھا ہے ان میں BANKING (جس کی بنیاد سود پر ہے) سے لے کر فلم اور NURSING تک شامل ہیں۔ ہم نے جاگیرداری فولادی جوتے میں اپنی آبادی کے پیروں کے لیے تیار کیے ہیں اور اسے ہم اپنی تمدنی پہچان کہتے ہیں۔ اس پر بھی کوئی پابندی نہیں ہے اور ان کو فروغ بھی دیا جا سکتا ہے گو اس میں شبہ ہے کہ یہ علم و فضل صرف مسلمانوں کا یا اسلامیان عالم ہی کا ورثہ ہے کیونکہ یہ تو پوری انسانی تاریخ اور عالمی تہذیب کا جزو بن چکا ہے۔

تو پھر جس تمدنی ہستی یا تہذیبی شناخت کے کھو جانے کا اندیشہ ہے وہ آخر کیا ہے ؟ اس سوال کا جواب مجھے نہیں ملتا۔ حالی کی مدوجزر اسلام سے لے کر انتظار حسین کے افسانوں تک اگر کوئی روایت تواتر اور تسلسل کے

ساتھ ملی تو صرف یہ کہ مسلمانوں کو دو باتوں کا غم کھائے جا رہا ہے ایک یہ کہ ان کے ہاتھ سے حکومت کیوں جاتی رہی اور وہ پھر کیسے ہاتھ آ سکتی ہے اقبال کے مرد مومن کی خودی کے ذریعے یا محمد علی جناح کے پاکستان کے وسیلے سے یا پھر مولانا مودودی کی حکومت الٰہیہ سے۔ دوسرے یہ کہ جس تہذیب کا ذکر بڑے چاؤ سے کیا جاتا ہے اس پر جاگیرداری دور کی قدامت پسندی اور دقیانوسیت کی مہر لگی ہوئی ہے 'اور مجھے معاف کیا جائے اگر میں عرض کروں کہ پورا عالم اسلامیان جاگیرداری کے اس موہ سے نکلا نہیں ہے یا نکلنا نہیں چاہتا اور اس جاگیرداری دقیانوسیت کو اپنی تمدنی ہستی اور تہذیبی پہچان بنائے ہوئے ہے یقین نہ ہو تو پاکستان سے ایران ہوتے ہوئے سعودی عرب اور خلیجی ممالک تک ہو آئیے۔

یہی وجہ ہے کہ MODERNISATION کی جو تحریکیں امان اللہ خاں سے لے کر مصطفےٰ کمال تک چلیں ان سب کا انجام یکساں ہوا یا وہ ملک کے صنعتی دور میں لے جا کر جدید بنانے میں ناکام رہیں یا اسلام کے روایتی دائرے سے ٹکرانے یا نکلنے پر مجبور ہوئیں۔

اس لیے جب تک عالم اسلام عام طور پر اور ہندوستانی مسلمان خاص طور پر اس جاگیردارانہ دقیانوسیت کو اپنی تمدنی ہستی اور تہذیبی پہچان بنائے رکھنے پر اصرار کرتے رہیں گے اور تغیر و تبدیلی کو خوش آمدید کہنے کے بجائے اس سے خائف رہیں گے یا اس کا مقابلہ کرتے رہیں گے اس وقت تک انہیں اس صورت حال سے بچانا ناممکن نہیں۔

سارے خیر خواہ دانش وروں کی خیر خواہی کے باوجود ـــــ !! زیادہ سے زیادہ یہی ہوتا رہے گا کہ وہ ٹیلی ویژن پر اذانیں دیتے اور سنتے رہیں گے اور مغربی سرمایہ دار ممالک سے مشینیں، سامان آسائش و آرائش اور کچھ زرمبادلہ منگاتے رہیں گے اور خود 'نو آبادی' کی حیثیت میں رہیں گے آمروں، سلطانوں اور ملاؤں کے زیر نگیں ـــــ ! ہندوستانی مسلمان اسی جاگیرداری تہذیب کو اگر اپنی تمدنی ہستی سمجھتے ہوں تو ان کی عافیت معلوم ـــــ ! برقعہ اور پردہ اگر تمدنی ہستی ہے تو زمانے کی رفتار اسے ختم ہونے سے بچا نہیں سکتی۔

دوسری بات اور ہے: MODERNISATION آتا ہے صنعتی ترقی سے اور اسی صنعتی ترقی INDUSTRIALISATION سے پیدا ہوتا ہے ایک جمہوری مزاج اور یہ جمہوری مزاج سکھاتا ہے اپنے علاوہ اور اپنے سے مختلف لوگوں کا احترام ان کی موجودگی کا احساس اور ان کے ساتھ ہم وجودی COEXISTENCE ہی کا نہیں، CO-LIVING مشترکہ حیات کا تصور! اس کے مقابلے میں جاگیرداری

نظام صرف حاکم اور محکوم کے تصوّر سے آشنا ہے۔ اس نظام میں یہ ممکن نہیں کہ آپ حاکم بھی ہوں اور محکوم بھی یا حاکم بھی نہ ہوں اور محکوم بھی نہ ہوں۔

W.C. SMITH نے ISLAM IN THE MODERN WORLD میں لکھا ہے کہ اسلامی معاشرہ صرف دو ہی صورتوں سے آشنا رہا ہے یا وہ معاشرہ جس میں اسلام نہ سہی مسلمان حکمراں ہوں اور غیر مسلم ذمی ہوں یا غلام' یا پھر ایسا معاشرہ جس میں غیر مسلم حکمرانی ہو اور مسلمان یا تو ان کے ماتحت ہوں رعایا ہوں اور اگر یہ غیر مسلم حکمراں مسلمانوں کے شرعی حقوق میں مزاحم ہوں تو پھر معاشرے سے مسلمان یا تو ہجرت کریں گے یا اس کے خلاف جہاد کریں گے۔ اسمتھ ہی نے یہ بھی لکھا ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو ان دونوں صورتوں سے الگ ایک تیسری صورت حال درپیش ہے کہ یہاں نہ وہ حکمراں ہیں نہ محکوم کیونکہ آئینی طور پر حکومت کو منتخب کرنے اور اسے چلانے کے ان کو دوسرے شہریوں کے برابر حقوق حاصل ہیں' یہ صورت حال ان کے لیے نئی ہے اسی لیے اس نے ہندوستانی مسلمانوں کے تجربے کو پورے عالم اسلام کے لیے معنی خیز اور اہم قرار دیا ہے۔

مگر کیا ہم نے یعنی ہندوستانی مسلمانوں نے ذہنی طور پر اس صورت حال کو تسلیم کیا ہے کہ:

(i) یہ ہمارا ملک ہے اور اسے بنانے اور اپنے اور دوسرے ہم وطنوں کے لیے باوقار بنانے کا کام ہمارے ذمے بھی ہے اور باوجود متنوع اور متضاد رجحانات کے ہم اسے صحت مند جمہوری خطوط پر لے جائیں گے۔

(ii) اس ملک اور اس معاشرے میں ہمارے جتنے حقوق اور فرائض ہیں اتنے ہی حقوق اور فرائض ہمارے غیر مسلم ہم وطنوں کے بھی ہیں' نہ ان سے کچھ کم نہ ان سے کچھ زیادہ۔

معاف کیجیے گا ہندوستانی مسلمان اپنی تمدنی اور تہذیبی شناخت کی دہائی دے کر ان دونوں ذمہ داریوں سے گریز کی راہ نکال رہا ہے۔

فرقہ وارانہ فساد ہوا اور امن کا جلوس نکلنے' نعرہ لگایا جاتا ہے "رام رحیم' کرشن کریم ایک ہیں"' تو اچھا لگتا ہے' لیکن کیا ہندوستانی مسلمان واقعی یہ مانتا ہے یا کہہ سکتا ہے یا شرک کے فتوی کے بغیر اسے ماننے کو تیار ہے۔ ہندوستانی مسلمان کو تو اس کی آزادی ملنی چاہیے کہ وہ تبلیغی جماعت بنائے اور سر عام تقریروں اور تحریروں میں اس کا اعلان کرے کہ قرآن مجید کے علاوہ باقی سبھی مذہبی صحیفوں میں تحریف کر دی گئی ہے اور وہ ناقابل اعتبار ہیں لیکن اگر کوئی ہندو' آریہ سماجی یا عیسائی

Marfat.com

پادری یا کوئی ملحد دانشور قرآن مجید کے بارے میں یا پیغمبر اسلام کے بارے میں یا ان کے رفیقوں یا ان کی تعلیمات کے بارے میں کچھ کہہ دے تو ہندوستانی مسلمانوں کو اس کا حق ملنا چاہیے کہ وہ بسیں جلا ڈالیں دفتر پھونک دیں اور قتل عام کریں: پاکستان میں قادیانیوں تک کو تو اپنے کو مسلمان کہنے کی آزادی نہیں، ایران میں مذہب نے چادر اور چہار دیواری کا بھیانک روپ اختیار کر کے عورت کو قید اور آزاد خیال مردوں کو اسلام کے نام پر قتل کرنے کا جواز نکالا ہے سعودی عرب میں غیر مسلم کو داخل ہونے کی اجازت نہیں (مکہ) اور مسلمان ان ممالک میں بھی غیر مسلموں کو مسلمانوں کی تنقید کا حق دینے کو تیار نہیں جو صرف اسلامی ممالک نہیں ہیں!

دوسروں کی طرف تنگ نظری اور اپنے لیے خصوصی حقوق طلب کرنے کا رجحان جو علیگڑھ میں بہت عام ہے اس کا ایک رُخ ہے۔

دراصل اس وقت ہندوستانی مسلمان تین قسم کے حملوں کا شکار ہے اور اس میں اسے اپنی راہ کا تعین کرنا ہے۔ پہلا حملہ غیر مسلم دنیا کی طرف سے ہے جس میں بین الاقوامی دباؤ ہیں جنھیں اقتصادی تمدنی SOCIO-ECONOMIC کہا جا سکتا ہے اور قومی دباؤ ہیں جنھیں ملک کی بڑھتی ہوئی صنعت کے (جو غیر مسلموں کے ہاتھ میں ہے) اثرات سے تعبیر کیا جا سکتا ہے وہ ان اثرات کو قبول کرنا نہیں چاہتا نہ انھیں قبول کرنے کے لیے تیاری کرنا چاہتا ہے، وہ INDUSTRIALISATION سے ڈرتا ہے کیونکہ وہ جاگیرداری سے چمٹے رہنا چاہتا ہے اگر جاگیرداری نہ ہو تو اس کی دقیانوسی قدریں تو ضرور ہیں۔ جاگیرداری تحفظ کی اسی کوشش میں پاکستان بنا، جہاں آج بھی جاگیرداری نظام باقی ہے اور اقتصادی سطح پر صنعت کاری اور معاشرتی سطح پر MODERNISATION نہیں ہو سکا ہے۔

دوسرا حملہ اس پر ان مسلمانوں کا ہے جو شرفا کے طبقے سے تعلق نہیں رکھتے اور جو اب کچھ اپنی ہنرمندی اور کچھ اپنی محنت اور INDUSTRY یا صنعت سے کسی نہ کسی طرح متعلق ہونے کی بنا پر ابھر رہے ہیں انصاری قریشی، کھٹیک، سلیمانی وغیرہ، ان طبقوں کے دباؤ سے بچنے کے لیے علی گڑھ کبھی اقلیتی کردار کی دہائی دیتا ہے اور کبھی اولڈ بوائز کی بڑھتی ہوئی نمائندگی پر زور، تاکہ 'شرفا' علیگڑھ کو جاگیرداری دقیانوسیت کے نام پر اپنی جیب میں محفوظ رکھ سکیں۔

تیسرا حملہ ہے بدلتے ہوئے حالات کا، جو فکر نو چاہتے ہیں، اس ریلے میں قدامت اور دقیانوسیت کو محفوظ رکھنا

اور اس سے چمٹے رہ کر خود کو زندہ رکھنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے: کیا ایران کی اسلامی اقتصادیات نے اسے دنیا کے ترقی یافتہ ملکوں کی صف میں لا کھڑا کیا ہے یا وہ IRONGATE اور اسرائیل سے حاصل کردہ اسلحہ پر زندہ ہے

المیہ یہ ہے کہ سرسید نے دو کام بیک وقت شروع کئے تھے ایک فکری MODERNISATION اور سماجی فلاح کا کام تھا جس کو نئے علم کلام سے بھی تعبیر کیا گیا تھا' دوسرا مسلمانوں کو انگریزی طرز تعلیم کے مطابق پڑھا لکھا کر نوکریاں اور عہدے دلانے کا کام تھا' مسلمانوں نے دوسرا کام بھی سید کو اس وقت کرنے دیا کہ وہ پہلے کام سے دست بردار ہو جائیں' اور یہ پہلا کام ہی بنیادی تھا اور رہے ___ سرسید کے بعد سے آج تک اسلام کی تشریح و تعبیر کی جتنی کوششیں ہوئیں ان میں سے اکثر رجعت پسندانہ دقیانوسی اور تجدیدی نوعیت کی تھیں۔

وقت کا تقاضا ہے MODERNIZE OR PERISH ضرورت ہے سرسید کے مشن کے پہلے حصے کو آگے بڑھانے کی' جسے آپ اپنی تمدنی پہچان قرار دیتے ہیں اسے پہچاننے کی' اس کی صراحت کرنے کی' اور خود اسلام پر تنقیدی نظر ڈالنے کی' اس میں جو کچھ وقت کے مطابق نہیں رہا ہے اسے ترک کرنے کی' اس کے اندر جو اچھائیاں آج بھی باقی ہیں انکو اپنانے کی! طرز کہن پر اڑنا بہت خطرناک ہے بہت زیادہ خطرناک بلکہ مہلک ! علیگڑھ کا اگر آج کوئی فریضہ ہے تو یہی فکری تشکیل نو ہے جو وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

Marfat.com

اختتامیہ

۲۰ جولائی سنہ ۱۹۸۷ء کی شام کو

جناب سید حامد:

اگر زیاں کا احساس کسی انسان یا کسی جماعت کو ہو تو یہ اچھی بات ہے لیکن زیاں کا احساس اگر ایک عرصے تک رہے اور اس کو دور کرنے کے لیے کوئی ایک قدم نہ اٹھایا جائے تو وہ زیاں ناسور بن جاتا ہے اور صحت کو کھا جاتا ہے تو میں مؤدبانہ یہ درخواست کروں گا' مجھے اتفاق ہوا ہے ہندوستان کے بہت سے گوشوں میں جانے کا۔ اور اپنی عوام سے التماس کرنے کا لیکن ایک جگہ کو چھوڑ کر جہاں کچھ لوگ کھڑے ہو گئے اور انھوں نے کام کر لیا' اور کر رہے ہیں۔ باقی جگہ تقریباً ناکامی ہوئی اس کے باوجود کہ لوگوں نے کہا کہ جو بات کہی گئی وہ تو صحیح تھی۔ لیکن اگر ہم لوگ تیار ہیں اس بات کے لیے کہ ہم میں سے ہر شخص کوئی نہ کوئی کام کرے گا' یا کوئی قدم اٹھائے گا تب تو اس بحث میں کوئی وزن ہوگا' ورنہ ہماری عادت عمل سے احتراز کی اور پختہ ہو جائے گی' ہمارے سامنے ایک بھیانک نقشہ ہے اور اس بھیانک نقشہ کے باوجود ہم چین کی سانس لے رہے ہیں یہ بات تشویشناک ہے۔ پہلا مسئلہ! اب اس کی طرف توجہ ہوئی ہے وہ مسئلہ ہے ہماری جہالت کا' تعلیمی اعتبار سے' ہم ہندستان کے دوسرے طبقوں اور فرقوں سے پیچھے ہیں' اور اس بات کو اس بار حکومت نے بھی تسلیم کر لیا۔ نئی تعلیمی پالیسی کی تیسری دستاویز عملی پروگرام یہ واضح طور پر کہتا ہے کہ ہندستان میں تعلیمی اعتبار سے پسماندہ دو جماعتیں ہیں' ایک مسلمان اور دوسری نو بدھ یعنی ڈاکٹر امبیڈکر کے متبع یا پیرو' ان کی تعداد بہت کم ہے اور ہماری تعداد بہت بڑی۔ لہذا اگر ہم اسی طرح تعلیم کے میدان میں پیچھے رہے' تو ترقی ہم زندگی کے کسی شعبے میں نہیں کر سکتے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم میں سے جن کو اللہ تعالیٰ نے تعلیم اور علم سے سرفراز کیا ان کا' یہ فرض ہو جاتا ہے کہ نکل پڑیں۔ نکل پڑنے سے مراد یہ نہیں ہے کہ ہم اپنے سارے کام چھوڑ دیں' لیکن کاموں کے ساتھ ساتھ ہم یہ سمجھیں کہ ایک

Marfat.com

قرضہ ہے جسکو ہم ادا کر رہے ہیں، ہم اپنے چند ساتھیوں کو تعلیم حاصل کرنے کے لیے تیار کرلیں اور ان کی اس میں مدد کریں۔ یہ بات دہرانے کے لائق شاید نہ ہو کہ سن ۱۸۶۱ء سے ۱۹۴۱ء تک مردم شماری کی جو رپورٹیں شائع ہوتی رہی ہیں، ان میں فرقہ وارانہ، تعلیمی اعداد و شمار برابر دیے گئے۔

آزادی کے بعد یہ اعداد درج نہیں کیے گئے، تحقیق یہ بتاتی ہے کہ یہ اعداد و شمار جمع کیے گئے، ۵۱، ۶۱، ۷۱ اور ۸۱ چاروں مردم شماریوں میں جو آزادی کے بعد ہوئیں ہمارے ملک میں، لیکن ان کو شائع نہیں کیا گیا شائع ہونا چاہیے تھا، یہ بڑی کوتاہ اندیشی ہے کسی دفتر میں بیٹھنے والے کی، اس نے یہ سوچا کہ اگر فرقہ وارانہ تعلیمی اعداد و شمار شائع کیے گئے تو شاید فرقے واریت کو اس سے ہوا ملے؛ یہ بات بنیادی طور پر غلط ہے اور اگر یہ اعداد و شمار شائع نہ ہوئے تو مجھ جیسے لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ مسلمان تعلیمی اعتبار سے تنزل کی طرف مائل ہیں، اور اگر کوئی مجھ سے پوچھتا کہ یہ تم کیا کہہ رہے ہو، میرے پاس سوائے اس کے کہ جو میرا تاثر ہے، جو میں نے حاصل کیا مختلف جگہوں میں جا کر، اور کوئی جواب نہیں ہوگا، حالانکہ یہ واقعہ ہے کہ ایسے اشارئیے ہیں جو یہ بتاتے ہیں کہ تعلیمی اعتبار سے ہم پیچھے جا رہے ہیں اور چھوٹی موٹی تحقیقات جو لوگ کرتے ہیں ان کے جو مضامین نکلے —— اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ ہم نے اپنی تعلیم اور اپنی بہتری سے ایسا تغافل برتا ہے کہ مسلمانوں کی تعلیم کے متعلق، اب تک جو مستند دستاویزیں ہیں، وہ غیر مسلموں کی لکھی ہوئی ہیں۔ سکسینا صاحب جو شاید آپ کے یہاں کلکٹر بھی تھے مائنورٹیز کمیشن میں جوائنٹ سکریٹری تھے۔ انھوں نے دو چار پیپرس لکھے ہیں، وہ حرف آخر ہیں۔ ابھی تک ہم مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی پر ہمدردی کے ساتھ لکھے ہیں، اور تفحص کے ساتھ لکھے ہیں۔ سوال یہ ہوتا ہے کہ یہاں کھڑے ہو کر اور اپنی ناکامی کا اعتراف کرتے ہوئے میں یہ سوال، آپ سے دریافت کر رہا ہوں کہ کیا وجہ ہے کہ ہمارے بارہ سو، تیرہ سو، یا چودہ سو اساتذہ میں سے سو اساتذہ بھی آج تک ایسے نہیں نکلے جنھوں نے مسلمانوں کی تعلیم کے متعلق ایک جائزہ لیا ہو۔ جائزہ حیدرآباد چارج کے مفہوم میں نہیں بلکہ SURVEY کے مفہوم میں جو شمالی ہندستان والے استعمال کرتے ہیں علیگڑھ یونیورسٹی سے اس کا سارا DOCUMENT ساری دستاویزیں یہاں سے نکلنی چاہئیں، یہاں کے بعد جامعہ سے نکلنا چاہئیں۔ کوئی دستاویز، کوئی مستند دستاویز مسلمانوں کی تعلیمی حالت کے متعلق علیگڑھ یونیورسٹی سے نہیں نکلی۔ جامعہ ملیہ سے کشمیر کی یونیورسٹیوں سے نہیں نکلی تو یہ آخر کیوں؟ اگر ہم یہ کہیں کہ صاحب ہمیں تو تعلیمی اعتبار سے ترقی ترقی کرنا ہے تو ترقی آدمی کس طرح سے کرے، ملک نے یہ طے کیا ہے کہ منصوبہ بند ترقی ہو اور منصوبہ بند کیلیے علاقہ وار اعداد و شمار ضروری ہیں، اعداد و شمار اور ملک نے یہ بھی طے کیا ہے کہ یہ ترقی جو ہوگی انصاف

کے ساتھ ہو گی، منصفانہ ترقی ہو گی، گویا تقسیم وسائل اور تقسیم منافع عادلانہ طریقے سے کی جائے گی یہ ملک نے طے کیا ہے۔ پھر اس کے پاس کوئی جواز نہیں کہ اعداد و شمار کو چھپائے رکھے۔

اور اگر ملک نے انکو چھپایا تو ایک تو ہماری یہ فریاد ہونی چاہیے، ہمارا یہ مطالبہ ہونا چاہیے، احتجاج ہونا چاہیے کہ ان اعداد و شمار کو شائع کیجیے۔ ان اعداد و شمار کے شائع کرنے سے ان پسماندہ فرقوں کو اس کا شعور ہوگا کہ وہ پیچھے جا رہے ہیں، ان کو اندازہ ہوگا کہ ۱۴ سے ۱۵ تک کتنے پیچھے گئے ۱۵ سے ۱۶ تک اور علیٰ ہذا القیاس اور اس کے ساتھ ساتھ ایک اور بڑی بات ہو گی کہ ملک کا ضمیر بیدار ہوگا۔ اس وقت ہمارے برادران وطن یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمان ہر اعتبار سے خوشحال ہیں اور ہمارے سایۂ عاطفت میں آگے بڑھ رہے ہیں اور پروان چڑھ رہے ہیں۔ ان لیے یہ ٹھیک ہے۔ لیکن انکو یہ تو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ تعلیمی اعتبار سے کس قدر پیچھے جا رہا ہے۔ تعلیم کے متعلق ہمکو مطالبہ سرکار سے، رجسٹرار جنرل سے متواتر کرنا چاہیے کہ ان اعداد و شمار کو شائع کریں۔ وزارت داخلہ سے مطالبہ کرنا چاہیے اور خود اپنی SURVEYS RESEARCHES کرنی چاہئیں SURVEYS کرنے چاہئیں مختلف صورتوں میں، مختلف ریاستوں میں، تاکہ ہمیں معلوم تو ہو کہ ہماری تعلیمی حالت کیا ہے، پہلی بات تو تعلیم کی توسیع ہے، یہ ہمارے لیے اہم مسئلہ ہے اس وقت کا۔ اور جب تعلیم کی توسیع ہوتی ہے تو یہ صورت حالات پیدا نہیں ہوتی کہ جو لوگ تعلیم پا گئے ہیں وہ ان لوگوں کا استحصال کرنے لگتے ہیں، جو تعلیم یافتہ نہیں ہیں۔ ہماری موجودہ صورت حالات یہ ہیں۔ ہم استحصال کرتے ہیں ان غریبوں کا جنھوں نے تعلیم حاصل نہیں کی۔ تعلیم جب کثیر، جب وسیع البنیاد ہوگی تو آپ کے یہاں سے ایسے افراد اٹھیں گے جن پر آپ اور آپ کا ملک ناز کر سکے۔ اور جب تعلیم کی BASE یا بنیاد بہت محدود ہوگی تو ایسے افراد کے اٹھنے کا سوال پیدا نہیں ہوگا۔ سب سے اہم سوال ہمارا تعلیم کا سوال ہے اس میں یونیورسٹی یہ کر سکتی ہے، توسیع کے طور پر اپنے قرب و جوار میں تعلیم کی اشاعت بہت پرزور انداز میں کر سکتی ہے۔ اور بحیثیت یونیورسٹی کے تعلیمی مسائل پر غور و خوض کر سکتی ہے، نئی روشنیاں دے سکتی ہے، نئی بصیرتیں دے سکتی ہے، اور نیا پیغام عمل دے سکتی ہے، یہ یونیورسٹی کر سکتی ہے اور یونیورسٹی کو کرنا چاہیے۔ مجھے اپنی خام کاری اور اپنی ناکامی کا اعتراف ہے۔ لیکن کسی اچھے کام کو کسی وقت بھی اختیار کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ ہمارا فرض ہے، کفرانِ نعمت ہوگا اگر ہم باوجود علم حاصل کرنے کے اس کو بانٹنے کے لیے تیار نہیں ہوئے۔ پہلی بات یہ تھی۔

دوسری بات ہمارا معیار۔ ہمارے اسکولوں اور کالجوں کا معیار عام طور پر اچھا نہیں ہے، اس کی سب سے واضح مثال خود علیگڑھ مسلم یونیورسٹی میں یہاں کے اسکولوں سے ملتی ہے، یہاں کے اسکولوں کے طالب علموں کی

Marfat.com

وجہ سے ہمارا جو داخلے کا معیار ہے وہ ہمیشہ کم ہوتا جاتا ہے۔ پندرہ یا بیس فیصد کا فاصلہ رہا ہے پہلے سے ان لڑکوں میں اس آخری لڑکے میں جو باہر کا لڑکا لیا گیا ہے اور اس لڑکے میں جو یہاں کے اسکولوں سے لیے گئے ہیں اس کا ہمارے پاس کوئی جواز نہیں۔ ہم کس منہ سے جا کے کہیں گے بحیثیت یونیورسٹی کے دوسرے مسلم اسکولوں سے کہ مسلمانو اپنی تعلیم کا معیار بڑھاؤ وہ کہیں گے کہ آپ اپنے اسکولوں کی تو خبر لیجیے۔ آپ کی حالت کیسی ہے ؟ ہماری باتوں میں وزن اور اثر بھی ہوگا جب ہم باہر نکلیں گے تو یہ کہیں گے کہ نمونے کے طور پر ہم نے یہ اسکول قائم کر رکھے ہیں۔ ان کا معیار دیکھو ان سے سبق حاصل کرو اس کے نقش قدم پر چلو۔ اگر ہم یہ کہہ سکتے ہیں تو بڑی بات ہوگی۔

تیسری بات یہ کہ مسلمانوں میں دوران تعلیم بچوں کو بٹھا دینے بلکہ اٹھا لینے کا رواج بہت ہے جسکو DROPOUT کہتے ہیں۔ ہمارے بچے ابتدائی تعلیم میں خاصی تعداد میں داخل ہوتے ہیں۔ لیکن دو تین سال کے اندر ان کے والدین ان کو بٹھا دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ گھر کے کام میں ہماری مدد کرو۔ اس میں کیا رکھا ہے، نوکری تو ملنے سے رہی، تم اگر گریجویٹ بھی ہو گئے تو کیا کر لوگے۔ یہاں ہمارے ساتھ ہماری صنعت، ہماری چھوٹی سی دکان میں شریک ہو تو تم خوشحال رہوگے اور در در کی ٹھوکر کھانی نہیں پڑے گی۔ اب سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کو یہ بتانا چاہیے کہ تعلیم کا مقصد صرف روزگار حاصل کرنا نہیں ہے، یہ تو ایک ضمنی فائدہ ہے، جو تعلیم حاصل کرنے سے ہمیں میسر آجاتا ہے۔ تعلیم کا مقصد دراصل شخصیت کی تہذیب ہے، شخصیت کا ارتقا ہے، شخصیت کا بلوغ ہے۔ انسان انسان بنتا ہے علم حاصل کر کے، یہ بات ہم کو ذہن نشین کرانی چاہیے۔ اور اس کے طریقے ہونے چاہئیں۔ میں نے ان علماء سے جن سے ملاقات کا مجھے موقع ملا، یہ درخواست کی اور بعض حضرات نے اس پر عمل بھی کیا۔ یہ درخواست کہ اگر ہم جا کر کہتے ہیں تو مسلمان عوام اس کو زیادہ اہمیت نہیں دیں گے، وہ اہمیت دیتے ہیں علماء کرام کی بات کو وہ یہ کہیں کہ جس تعلیم کے لیے کہا گیا ہے کہ یہ مذہبی فریضہ ہے، جس تحصیل علم کے لیے کہا گیا ہے کہ ہمارا مذہبی فریضہ ہے، وہ علم عصری تعلیم پر بھی حاوی ہے۔ اگر یہ بات منبروں سے کہی جائے تو اس کا اثر تین چار سال میں ظہور پذیر ہو جائیگا۔

اور ہمارے یہاں میں کوئی ایسی بات متنازع فیہ نہیں کہنا چاہوں گا لیکن جنوبی ہندستان میں کرناٹک میں بالخصوص کیرالا میں بھی ایک حد تک انھوں نے اس بڑے نظام کو جو جمعہ کی نماز ہمیں فراہم کرتی ہے، اس کام کے لیے استعمال کیا کہ مسلمانوں کی تعلیم اور ان کے دوسرے مسائل، جن پر کوئی نزاع نہیں ہے، ان مسائل کے متعلق ہر جمعہ کی نماز کو جمعہ کے خطبہ میں تلقین کی جاتی ہے۔ ہم راضی کریں اپنے ائمہ کو کہ وہ عربی میں جو خطبہ دیتے ہیں دیں ضرور دیں، ہمیں کسی نزاع میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن اتنے بڑے نظام کو جو ہم نے اکارت کر رکھا ہے، ہمارے جمعہ کے اجتماع کا نظام۔ اس میں ان لوگوں کو امن کے علاوہ

تعلیم، صفائی، پابندیٔ وقت، پابندیٔ قول، ان ساری باتوں پر زور دینا چاہیے۔ یہ کیا جا سکتا ہے۔ انھوں نے الامین سوسائٹی نے کرناٹک میں خطبے تحریر کرکے جس طرح عربی میں خطبے ہیں، موجودہ موضوعوں پر آجکل کے حالات پر اور مسائل پر خطبے لکھے ہیں اور تقسیم کیے ہیں مساجد میں، تو یہ تیسری بات تھی جس کی طرف میں آپ کی توجہ دلانا چاہتا تھا۔

چوتھی بات جس سے ہم کو بڑا نقصان پہنچ رہا ہے وہ ہے فرقہ وارانہ فسادات میں تباہی، جہاں ہم نے کمر کسی اور سوچا کہ ہم کو اس ملک میں رہنا ہے، اور اس ملک میں ہم کو ترقی کرنا ہے، مقابلہ کرنا ہے، اور تعاون کرنا ہے وہیں بدقسمتی سے کوئی نہ کوئی فرقہ وارانہ فساد ہو جاتا ہے اور لوگوں کے حوصلے پست ہو جاتے ہیں۔ اس کے متعلق مختلف حکومتیں مختلف مرکزی حکومتیں واضح طور پر یہ اعلان کر چکی ہیں کہ فرقہ وارانہ فسادات کو روکنے کا ایک بڑا موثر طریقہ یہ ہوگا کہ پولس میں پیرا ملیٹری فورسیز آرمڈ کونسٹیبلری میں مسلمانوں کو معقول تعداد میں بھرتی کیا جائے۔ یہ اعلانات ہوئے۔ بعض دفعہ کوشش کی گئی بعض دفعہ بھرتی کی گئی، اور بھرتی کی کوشش کبھی تو ان کی نیم دلی کی وجہ سے کامیاب نہیں ہوئی اور کبھی ہمارے عدم تعاون کی وجہ سے کامیاب نہیں ہوئی ہے۔ بہت سے والدین اپنے بچوں کو نہیں بھیجنا چاہتے پولس میں، بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ فورس ہمارے خلاف ہے بعض لوگ یہ کہتے ہیں یہ خطرہ ہمارے بچے کیوں مول لیں۔ ہم چھوٹے روزگار اور چھوٹی صنعت، چھوٹے دھندے میں اتنے پھنس گئے ہیں کہ نقل و حرکت ہمارے لیے دشوار ہو گئی ہے ہم اپنے محلے اپنے قصبے اور شہر سے نکلنا ایک بار گراں سمجھتے ہیں اس رجحان کا باقاعدہ کاٹ کرنی چاہیے، فورس میں مسلمانوں کی بھرتی کا مطالبہ ہونا چاہیے، دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ اس میں ہمارا دستور سد راہ نہیں ہوگا اگر ہم یہ کہیں کہ یہ ایک انتظامی مصلحت ہے، جس کے تحت ہم مسلمانوں کو اپنے پولس فورس میں پی اے سی۔ پیرا ملیٹری فورسیز میں شامل کرنا چاہتے ہیں ابھی پرسوں یہ اشتہار تھا کہ ۵۲ بٹالینس میں بی ایس ایف کی اور بھرتی کی جائے ہم کیا چاہتے ہیں وہ آپ کو بتا دیتے ہیں۔ میں اپنی بساط کے مطابق اپنی نبض پر بھی ہاتھ رکھتا ہوں میرا ہاتھ میری قوم کی نبض پر ہے۔ میں جانتا ہوں جب سب بھرتیاں ہو جائیں گی پھر اس کے بعد ہم فریاد کریں گے کہ دیکھیے ہمارے ساتھ ناانصافی ہوئی۔ ہمارے پاس ایسے لوگ ہونے چاہیے جو گاؤں گاؤں میں جائیں، شہروں میں جائیں اور اس کا پرچار کریں، اشاعت کریں کہ یہ موقع ہے روزگار حاصل کرنے کا اور ملک میں امن و امان قائم کرنے کا۔ اور مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کا کہ ہم بی ایس ایف میں بڑی تعداد میں جائیں۔ یہ ہونا چاہیے اور ہمیں یہ کرنا چاہیے، اور ہم جو پڑھے لکھے ہیں باخبر ہیں، ہمارا یہ فرض ہوتا ہے کہ اس قسم کی معلومات کو دوسروں تک پہنچائیں۔ ان بھائیوں تک پہنچائیں، جو ان پڑھ ہیں اور جو بے خبر ہیں اور یہ بھی بتائیں کہ اس میں ہمارا دوہرا فائدہ ہے۔ وہ الگ ایک نکتہ ہے

Marfat.com

کہ پولیس میں، فوج میں پیرا ملیٹری فورسیز میں ہم کو داخل ہونا چاہیے اور مجھ کو یقین ہے اپنی محدود انتظامی صلاحیت کی بنا پر کہ اگر کسی فورس میں ہندو اور مسلمان ایک ساتھ ہیں وہ فورس وہ بٹالین کبھی کوئی شدت اور عصبیت برت ہی نہیں سکتی یہ ناممکن ہے بالکل ناممکن تو یہ بات بہت اہم ہے اب اس پہلو پر بھی نظر کیجیے کہ اہل حرفہ جو اس وقت دلی میں کرخندار کہلاتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک سو روپیہ آسانی سے روز کما لیتا ہے اور آجکل انکی روزی کرفیو کی وجہ سے بالکل ختم ہے عام حالات میں یہ لوگ روز کماتے ہیں روز کھاتے ہیں روز اڑاتے ہیں وہ کمائی ختم ہے فرقہ وارانہ فساد سے ہمارا نقصان دوسروں کی بہ نسبت زیادہ ہوتا ہے چونکہ ہمارے پاس کوئی ایسا سرمایہ نہیں ہے جو ہمارا سہارا ہو، اس پر آشوب دور میں ہم کو سہارا دے سکے تو فرقہ وارانہ فساد کا انسداد ہمارے لیے سوا ضروری ہے اس کی ایک اور وجہ ہے۔ مسلمان لڑکے جب اسکولوں میں جاتے ہیں تو وہ عام طور پر کمزور رہتے ہیں مستثنیات ہیں آپ کے بچے ہوں گے ہمارے بچے ہوں گے، وجہ یہ ہے کہ ان کو اپنے گھر اور محلے میں علمی ماحول نہیں ملتا۔ اسکول میں توقع کی جاتی ہے کہ موضوع سے متعارف کر دیں گے بچے کو اور سوم ورک دیں گے جسمیں والدین رہنمائی کریں گے اور مدد دیں گے۔ والدہ کا خانہ بد قسمتی سے ہمارے یہاں اس وجہ سے خالی ہے کہ تعلیم نسواں کی کمی ہے، اور ہماری بہنیں جو گھروں میں ہیں وہ دن بھر چولہا جھونکتی رہتی ہیں، ان سے ہم مردوں کے مطالبات زبان کے ذائقے کے لحاظ سے اور جذبات کے لحاظ سے بہت زیادہ ہیں۔ یوں بھی وہ تھک جاتی ہیں تو بچوں کو پڑھا نہیں سکتیں اور پھر گھر سے یہ جو نکلتے ہیں تو گلیوں میں لوگوں کو گالیاں دیتے ہوئے آپس میں سنتے ہیں تو یہ نقشہ ہندستان بھر میں مسلمان بستیوں کا ہے تو وہ کیا سیکھیں گے، اچھا اب سنیے کہا جاتا ہے کہ بھائی کچھ آگے نکلو۔ سیکڑوں نو آبادیاں دلی کے گرد و نواح میں ہیں اور ہر شہر میں یہ عالم ہے کہ دلی میں مسلمانوں کی کالونی شاید ڈیڑھ کالونی ہے مسلمانوں کی۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ باہر نکلو تو وہ کہتے ہیں کہ کیا ہمیں مروانے کا ارادہ آپ نے کیا ہے جب فساد ہو گا تو ہم چن چن کر مار دیے جائیں گے۔ فرقہ وارانہ فساد کا ہماری نئی نسل کے ذہنی ارتقا اور اخلاقی نشوونما پر بہت برا اثر پڑ رہا ہے کہ تقریباً وہ سب گندی بستیوں یا SLUMS میں رہ رہے ہیں، ان گنجان بستیوں میں رہنے کے لیے وہ مجبور ہیں۔ وہ مجبور ہیں کیونکہ وہ ڈرتے ہیں کہ اگر یہاں سے نکلیں گے، باہر جائیں گے، محفوظ آبادی میں نہ رہیں گے تو مارے جائیں گے۔ محفوظ آبادی میں رہنے میں عافیت ہے۔ ہندوؤں میں بہت سی اچھی عادتیں بھی ہیں، وہ ہم سیکھ سکتے ہیں۔ ان کی بری عادت تو ہم نے سیکھ لی۔ ہم یہ مطالبات کرنے لگے کہ لڑکی سے شادی جب ہی ہو گی جب لڑکے کو روپیہ ملے گا۔ یہ ہم نے شروع کر دیا۔ ان کی بہت سی اچھی باتیں ہیں ان میں سے کوئی بات ہم نے شروع نہیں کی۔ فرقہ وارانہ فساد صرف جان اور عزت کا معاملہ نہیں ہے۔ یہ ہماری نئی نسل کے ارتقا ہماری نئی نسل کے نشوونما ہماری نئی نسل کے اپنے

اقدار پر قائم رہنے کا مسئلہ ہے ہم کو پورا زور دینا چاہیے، ہم کو اپنے نمائندوں کو مجبور کرنا چاہیے اس مسئلے پر اب ہم تقاضا کریں کہ پولس اور فورسیز میں ہماری نمائندگی ہونی چاہیئے اور فرقہ وارانہ فسادات کا انسداد ہونا چاہیے اور جو تقسیم ہوتی ہے نوآبادیوں کیلئے زمینوں کی وہ سب سرکاری نگرانی میں ہوتی ہے اس میں مسلمانوں کو آباد کرنا چاہیے، مخلوط آبادی دراصل ہمارے حق میں ہوگی اگر ہم ٹھیک روش پر چل رہے ہیں تو ہمارا اثر ہماری ساکھ بڑھیگی اور ایسا نہیں کر رہے ہیں تو ہم دوسروں سے سیکھیں گے ۔

یہ شانِ امتیاز تو دیکھو کہ اہلِ کفر ——— مومن سمجھ رہے ہیں مجھے خوار دیکھ کر

پانچویں بات یہ ہے کہ مسلمانوں نے گندگی کو اپنے ساتھ منسوب کر رکھا ہے آپ چلے جائیں کسی شہر میں اگر کسی محلے میں آپ کو گندگی نظر آئے گی تو آپ کسی سے استفسار کیے بغیر یہ کہہ سکیں گے، یقین کے ساتھ یہ مسلمانوں کا محلہ ہے، یا کسی محلے میں لوگ آپ کو بیکار وقت ضائع کرتے ہوئے ملیں گے تو وہ بھی مسلمانوں کا محلہ ہوگا۔ زیادہ تر یہی نقشہ ہے ہندستان کا اس میں نہ شمال کی قید ہے نہ جنوب کی قید۔ جنوب کے مسلمانوں کے متعلق ہم حسنِ ظن رکھتے ہیں کہ وہ ہم سے بہتر ہیں۔ لیکن نہ کہ اتنے بہتر کہ دوسروں کے مقابلے میں کھڑے کیے جا سکیں، تعلیمی معیار دوسروں سے کم ہے، ان کا حوصلہ زیادہ ہے۔ ان کی راہ میں رکاوٹیں کم ہیں اس لیے انھوں نے بڑے بڑے ادارے قائم کیے۔ بڑے بڑے کالج قائم کیے، ایک میڈیکل کالج قائم کیا، ایک میڈیکل کالج ہمارے محترم وائس چانسلر صاحب کے قوتِ بازو اور ان کی آرزو اور حوصلہ کی وجہ سے حیدرآباد میں قائم ہوا۔ ہم بدقسمتی سے یہ نہیں کر پا رہے ہیں، ہم چھوٹے چھوٹے ادارے نہیں چلا پا رہے ہیں ایک مبصر نے کہا ہے کہ اللہ تعالےٰ جب کسی قوم کو برباد کرنا چاہتا ہے تو اس سے ادارے چلانے کی صلاحیت سلب کر لیتا ہے، ہم میں ادارے چلانے کی صلاحیت نہیں اور فرداً فرداً ہم آگے بڑھ نہیں سکتے جب تک کہ ہم لوگوں کو ساتھ لے کر نہ چلیں۔ اور اگر ساتھ لے کے چلنا ہے تو اداروں کو چلانا ہے آپ مغربی یوپی سے لے کر مشرقی یوپی تک چلے جائیے، ہر شہر میں رکیے، پوچھیے کہ تمہارے اسکولوں کا کیا حال ہے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ہر جگہ کچھ مستثنیات ہیں۔ ہر جگہ حالت پتلی ہے اور کوئی شخص ادارہ چلانا، کوئی نیا ادارہ کھولنا چاہے تو لوگ سوچتے ہیں کہ یہ اپنا مستقبل بنانے کے لیے کر رہا ہے۔ وہ یہ سوچ ہی نہیں سکتے کہ کوئی شخص ملت کے مستقبل کے متعلق بھی فکرمند ہو سکتا ہے، یا کارساز بن سکتا ہے، ان کے ذہن سے ماورا یہ بات ہے یہ بات نکالنی ہوگی۔ یہ ایک مریضانہ نقطۂ نگاہ ہے جو مسلمانوں نے اختیار کر رکھا ہے۔ یہ ایک مریضانہ ذہنیت ہے کہ کوئی ملّی کام، کوئی کام جماعت کے فائدے کا دراصل فرد کے فائدے کا کام ہوتا ہے اور اس کے مدنظر اپنے آپ کو بڑھانا ہوتا ہے، وہ خانہ جنگی وہ مُقدمے بازی، یہ سارا انتظام، میں نے تو ایک جگہ عرض کیا تھا، اور یہ بات عبرت ناک ہے اور میں جسارت کر رہا ہوں اس کے کہنے کی کہ آپ کی یہ عالی شان یونیورسٹی

Marfat.com

اگر شکنجے میں نہ ہوتی حکومت کے اختیارات کے تو اس کا شیرازہ بھی کبھی کا بکھر چکا ہوتا۔ اور اس کی حالت وہی ہوتی جو مسلم اسکولوں کی یوپی بھر میں اور بہار بھر میں ہے۔ یہ بڑی بدقسمتی کی بات ہے ہم کو اس سے نکلنا چاہیے، تربیت کرنی چاہیے، ذہنی تربیت مسلمانوں کی کہ تم شبہہ سے آغاز نہ کرو تم آغاز کرو اعتماد سے، موقع دو لوگوں کو کام کرنے کا آپ دیکھتے ہوں گے کہ ریٹائر ہوتے ہی مسلمان خانہ نشیں ہو جاتا ہے، ہیں آپ کے پاس وہ لوگ جن کے پاس تجربہ ہے جنھوں نے غور و فکر کی ہے، لیکن ان میں سے ہر ایک اپنی عزت کو بچانے کیلئے گھر کے گوشے میں اپنے آپ کو مقفل کر لیتا ہے کیونکہ اسے یقین ہے کہ اگر اس نے ایک قدم باہر نکالا تو لوگ اس کی نیت پر شبہ کریں گے اس کو گالیاں دیں گے اور جو کچھ رہی سہی عزت ہے، جو عزت اس نے اپنی ملازمت یا اپنے کاروبار کے دوران کمائی ہے وہ سب گنوا دے گا اگر اس نے کوئی قدم اٹھایا، کوئی عملی تعمیری کام کرنے کا۔ اس نقطہ نگاہ کو اگر آپ نہیں بدلیں گے تو نہ تو لوگ آپ کو کام کرنے والے ملیں گے اور نہ آپ اپنے اداروں کو چلا سکیں گے۔ اس نقطہ نگاہ کو بڑے پیمانے پر بدلنا ہے اس کے خلاف جہاد کرنا ہے اور یہ جہاد یہاں سے شروع ہو جامعہ ملیہ سے شروع ہو، دلی سے یا اور شہروں سے شروع ہو۔ ایک بات اور میں عرض کر چکا ہوں جو میں دہرادوں گا وہ بات یہ ہے کہ اب مسلمانوں میں اس کی سکت اور صلاحیت نہیں ہے کہ وہ کسی ملک گیر نظم کو چلا سکیں ملک گیر تحریک چلانے کی صلاحیت ہمارے پاس نہیں ہے اور اگر ہم کوئی ایسی کوشش کریں گے تو مایوس ہوں گے دل شکستہ ہو کر بیٹھ جائیں گے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہوگا کہ اہل سیاست اس کو غصب کر لیں گے اس کو دبوچ لیں گے اس ادارے کو، اگر کوئی ادارہ آپ نے کامیاب کر کے دکھا دیا۔ اب کام یہ ہونا چاہیے کہ ہر شہر اور ہر قریہ میں آپ کچھ لوگوں کو آمادہ کر دیں کہ وہ آگہی کی اشاعت کریں اور لوگوں کو بتائیں کہ کیا کیا مواقع اس جمہوریت میں اور اس منصوبہ ساز ترقی کے تحت ہندستان کے شہریوں کو حاصل ہیں، تعلیم حاصل کرنے کے، روزگار حاصل کرنے کے روزگار کو سنوارنے کے، کیا کیا مواقع حاصل ہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ آپ ان کی تعلیم کا انتظام کریں ہم لوگوں نے بڑی فریاد و فغاں کی، بہت سے سمیناروں میں گئے اور بہت سی باتیں جو آپ اس پروگرام آف ایکشن میں دیکھتے ہیں، ایک تو وہ پیراگراف جو نئی تعلیمی پالیسی میں ایک پیرا اقلیتوں کے متعلق ہے۔ یہ بہت جتن اور بڑی کوشش کے بعد اس میں داخل ہوئے، بہت سے سمیناروں کی قرار دادیں گئیں اور یہ اہتمام بھی کیا گیا کہ یہ قرار دادیں وزارتوں کے علاوہ وزیر اعظم کے ہاتھوں میں بھی پہنچ جائیں اور پھر یہ بھی ہوا کہ پروگرام آف ایکشن میں ایک پورا باب مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی کو دور کرنے کے سلسلے کا ہے۔ یہاں بھی یہ ہوگا میں پیشین گوئی کر رہا ہوں خدا کرے کہ یہ غلط ثابت ہو، یہاں بھی یہ ہوگا کہ جب سارے فیصلے ہو جائیں گے تب ہم چونکیں گے کہ ہمارے ساتھ زیادتی ہوئی۔ موقع یہ ہے کہ ہر شہر میں ہم بتائیں کہ یہ آبادی

Marfat.com

مسلمانوں کی ہے، اس کے پاس اسکول کھلنا چاہیے' یہ آپ کی پالیسی ہے اس پر مہر لگائی ہے پارلیمنٹ نے لہٰذا یہ قومی پالیسی ہے ایسے اسکول کھلنے چاہئیں، کہ یہ یہ مقامات ہیں جو اس لائق ہیں کہ ان میں اسکول آپ کی پالیسی کے مطابق کھلیں' یہ کوئی نہیں کرے گا ہم علیگڑھ میں بیٹھ کر سیمینار کریں گے دلی میں بیٹھکر سیمینار کریں گے حیدر آباد میں کرلیں گے۔ لیکن یہ کام جو کرنے کا ہے اس کام کو کرنے والا کوئی نہیں، اور جب تک کہ ہم یہ کام نہیں کریں گے، ہم آگے نہیں بڑھ سکتے میں نے زیادہ وقت لے لیا میرے نکات جو تھے وہ تعلیم سے متعلق تھے اور فرقہ وارانہ فسادات کے انسداد کے متعلق تھے، اور گندی بستیوں سے دور رہنے کے متعلق تھے، یہ دو تین باتیں مجھے عرض کرنی تھیں، جہاں تک کہ مدرسوں اور اس کا تعلق ہے عصری تعلیم اور دینی تعلیم کا یہ بات تو واضح ہے کہ ہم دو لخت ہو گئے ہیں، اور دو دنیاؤں کے اندر ہیں اب ہم کو قریب آنا ہے کہ اس کیلیے طریق کار کیا ہوگا؟ اس پر غور و فکر کی ضرورت ہے۔ کیونکہ چھوٹے مدرسے اور زیادہ تو مدرسے چھوٹے چھوٹے ہیں ان کے پاس اتنے وسائل نہیں کہ وہ ان مضامین کو پڑھا سکیں۔ فزکس وہ پڑھا سکیں کیمسٹری پڑھا سکیں، میتھمٹکس پڑھا سکیں، انگریزی پڑھا سکیں، ان کے پاس اتنے وسائل نہیں اور وہ تنخواہ ہی کیا دیتے ہیں' دو سو روپے دیتے ہیں، چار سو روپے دیتے ہیں کہیں سات سو روپے دیتے' ان مضامین کو پڑھانے کے لیے آپ کو درکار ہوں گے وہ لوگ جو دو ہزار روپے مانگیں گے'، اور پھر اس کو بھی مان لیجیے کہ انکے پاس طلبہ ہی وسائل ہیں تو پھر خانہ جنگی شروع ہوگی اور دو گروہ اساتذہ کے بن جائیں گے اور دینی تعلیم کو تحقیر سے دیکھنے لگیں گے کہ دو چار سو روپے میں دینی تعلیم دینے والا مل جاتا ہے، اور بیس سو روپے درکار ہوتے ہیں، عصری تعلیم کے لیے، تو یہ مسائل ہیں بڑی جامعات سے ہم اسکا آغاز کر سکتے ہیں، یہ ہو سکتا ہے لیکن اس کلی کو بھی ہم کو دور کرنا ہوگا اور وہ نظام اگر ہم واپس لے آئیں جو سب سے اچھا نظام تھا اور جس کو ہم میں سے جن کی عمر زیادہ ہو چکی ہے انھوں نے اپنے بچپن میں دیکھا ہوگا کہ ہر محلے میں چند گھر ایسے ہوتے تھے جہاں بڑی بوڑھیاں دینی تعلیم بھی دیتی تھیں، اردو بھی پڑھاتی تھیں۔ بچوں بچیوں کو تربیت بھی دیتی تھیں، آج بھی اس نظام کا احیا اگر ہو جائے کسی طرح سے اسے واپس اگر آپ لے آئیں تو اس میں نہ کوئی صرفہ ہے اور نہ کوئی اسمیں خدشہ ہے بلکہ اس کے ذریعہ تعلیم عام ہو سکتی ہے اور تعلیم کی بنیادیں مضبوط ہو سکتی ہیں۔

●●

Marfat.com

علیگڑھ مذاکرہ ۱۹۸۶ء

اسلامیانِ ہند کے بارے میں

- ☆ ڈاکٹر عشرت فاروقی
- ☆ ڈاکٹر افتخار عالم
- ☆ ڈاکٹر امیر عجانی
- ☆ ڈاکٹر عارف سہیل
- ☆ ڈاکٹر شاہجہانپوری
- ☆ ڈاکٹر وارث کرمانی
- ☆ ڈاکٹر طاہر بیگ
- ☆ ڈاکٹر صابر اقبال
- ☆ ڈاکٹر یٰسین مظہر صدیقی
- ☆ ڈاکٹر مقبول احمد
- ☆ ڈاکٹر نفیس احمد
- ☆ ڈاکٹر شلیش زیدی

- ☆ ڈاکٹر ضمیر الدین
- ☆ ڈاکٹر عبدالغفار شکیل
- ☆ ڈاکٹر فرخ جلالی
- ☆ ڈاکٹر انور محمود
- ☆ ڈاکٹر ناظم علی
- ☆ ڈاکٹر قطب الرحمٰن
- ☆ وائس چانسلر سید ہاشم علی
- ☆ وائس چانسلر (سابق) سید حامد
- ☆ پروفیسر آل احمد سرور
- ☆ عابد رضا بیدار
- ☆ جناب معز الدین احمد
- ☆ ڈاکٹر اقبال انصاری فرنگی محلی

- ☆ ڈاکٹر فصیح احمد صدیقی
- ☆ ڈاکٹر سلیم احمد خاں
- ☆ ڈاکٹر اقتدار حسین صدیقی
- ☆ ڈاکٹر مہدی انصاری
- ☆ جناب حبیب الرحمٰن چغانی
- ☆ پروفیسر مسعود الحسن
- ☆ مسز سنگھ
- ☆ ڈاکٹر مسز کشور شبیر خاں
- ☆ ڈاکٹر عبدالرحمٰن خاں
- ☆ ڈاکٹر کنور پال سنگھ
- ☆ ڈاکٹر علی محمد

■ ■

مقالات پر بحث و مباحثہ

Marfat.com

Marfat.com

حرفِ چند

سید حامد صاحب کی کتاب "ہندستانی مسلمانوں کے مسائل" خدابخش لائبریری نے ۱۹۸۶ء میں شائع کی تو علی گڑھ میں سید ہاشم علی صاحب کا دور تھا۔ یہ طے ہوا کہ کتابوں کی رونمائی کی رسم تو اب پرانی ہوئی کتاب کے موضوع پر گفتگو اصل چیز ہے۔ چنانچہ جو اس کتاب کا موضوع تھا اس پر تو مقالات پڑھے ہی گئے اور بحث بھی ہوئی، ساتھ ہی کچھ لوگ ذاتیات پر اتر آئے یعنی سید حامد صاحب کے بارے میں بھی کچھ مقالات پڑھے گئے۔

ہم نے مناسب سمجھا کہ ان کو دو الگ الگ حصوں میں پیش کیا جائے۔ ایک حصّہ خالص سید حامد صاحب کے بارے میں، اور دوسرا حصّہ ان کے موضوعِ سخن اسلامیانِ ہند کے بارے میں۔

"سید حامد اور اسلامیانِ ہند پر ان کے افکار" پہلے حصّہ کے طور سے پیش ہوا۔ اب یہ دوسرا حصّہ "اسلامیانِ ہند کے مسائل" پیشِ خدمت ہے۔

—— ع ب

Marfat.com

ڈاکٹر عشرت فاروقی

زبان تشخص کا ذریعہ ہے، تہذیب صحیح ہے تشخص کا ذریعہ ہے۔

لیکن میں ابھی کیرالا گیا تھا، وہاں اردو نہیں بولی جاتی، وہاں کی زبان ملیالم ہے۔ لیکن وہاں کے مسلمانوں کا اپنا تشخص ہے۔ وہاں کا کلچر بالکل الگ ہے۔ آپ بنگال چلے جائیے جہاں اردو نہیں ہے لیکن وہ اپنا تشخص برقرار رکھنا چاہیں تو رکھ سکتے ہیں... تو بنیادی چیز یہ ہے کہ مسلمان کا تشخص چاہے وہ امریکہ کا ہو، انڈونیشیا کا ہو یا ہندستان کا ہو کہیں کا بھی ہو، اس کا تشخص اسکے تین حصوں میں بٹا ہوا آج ہمیں اس احتساب کی ضرورت ہے اور یہ صرف مسلمانوں کا مسئلہ نہیں ہے، میں سمجھتا ہوں کہ یہ صرف ہندستان کا مسئلہ بھی نہیں ہے بلکہ پورے عالم انسانی کا مسئلہ ہے۔ اس لیے کہ وہ قوم جو دنیا کی رہبری کے لیے آئی ہے، انسانوں کی ہدایت کے لیے ہے جو قوموں کی قیادت کے لیے پیدا کی گئی تھی۔ آج وہ قوم کس حالت میں ہے۔ ہمیں اس کا ایمانداری کے ساتھ احتساب کرنا چاہیے کہ ہمارا تعلق ہمارے اسلاف کے ساتھ کیسا رہ گیا ہے...

ڈاکٹر افتخار عالم

بہت سے ترجمے ہوے اور خاص طور پر سائنس اور ٹکنالوجی کے جو

بہت سے ترجمے آج بھی ہو رہے ہیں ________ عبدالحق صاحب نے بھی ایک زمانے میں ٹکنالوجی کی لغت کے سلسلے میں کوشش کی تھی اس وقت انھوں نے ایک واقعہ لکھا تھا بجلی کے تار نگیٹیو (Negative) اور پازیٹیو (Positive) کا ترجمہ منفی اور مثبت کیا تھا پھر کچھ عرصے کے بعد ایک الکٹریشین ان کے یہاں کام کرنے آیا، اور جب وہ کام کر رہا تھا تو اس نے اپنے دوست سے کہا بھئی وہ گرم تار ذرا لے آنا'

Marfat.com

اس وقت ان کو احساس ہوا کہ یہ اصطلاح جو استعمال ہو رہی ہے غالباً یہ صحیح ہے اور انھوں نے اس کو گرم اور ٹھنڈا لے لیا۔ پتا نہیں آپ کس حد تک ایگری (Agree) کرینگے کہ پچھلے ۴۰ سال میں مسلمانوں نے دو لیول پر (اکیڈمک لیول پر اور انٹلکچول لیول پر) اپنے مسائل کو حل کیا ہے یا جس طرح مثلاً حامد صاحب نے صحیح کہا تھا کہ جب بچوں کو پڑھانے کے لیے کہا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے اس کی چھوٹی سی دستکاری ہے، یا کام ہے، یا دُکان ہے اس میں اس کو بٹھلانے سے زیادہ فائدہ ہوگا۔ میرا خیال ہے یہ حل چالیس سال میں پریکٹیکل حل نکالا ہے اور ایسے پیشے (Profe ssions) میں کیا گیا ہے جہاں ملک میں پھیلا ہوا تعصب بہت زیادہ اثر انداز نہ ہو سکے اور وہ جی سکے اور اس حل کو ہمیں اسٹڈی (Study) کرنا چاہیے اسے ڈسٹرب (Disturb) نہیں کرنا چاہیے۔ میں اس بات کیلیے پورے طریقے سے شاید نہ کہ سکوں لیکن ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ اس وقت ہم یہ دیکھیں کہ مسلمانوں نے اپنی پرابلمس کو لوکل بنانا چاہا اور حامد صاحب کا کہنا تھا کہ بستیاں ہیں، ایک جگہ رہتے ہیں۔ موبلیٹی (Mobility) نہیں ہے، باہر نہیں نکلتے۔ یہ بھی اس کا ایک حل ہے کہ ایک ساتھ رہ کر کے ایک جگہ میں چھوٹی انڈسٹری ڈولپ کر کے دکان لگا کر اپنے معاشی مسائل کو حل کیا ہے، ہمیں انکو تعلیم دینی ہے اور وہ تعلیم بھی میں کہونگا کہ وہ فیوڈل (Feudal) تعلیم کا سسٹم جس میں کہ ہم صرف ایک فیوڈل تہذیب سکھاتے تھے اسلام کے نام پر، وہ نہیں بلکہ موڈرن تعلیم دینی ہے جس کے لیے سر سید نے کیا اور جو حامد صاحب کہ رہے ہیں لیکن جس انسٹی ٹیوشن (Institution) کی طرف حامد صاحب اشارہ کر رہے تھے، وہ فیوڈل انسٹی ٹیوشن ہے جو کہ تعلیم کو پیچھے کی طرف لے جائے گی وہ تعلیم دے گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ موڈرن تعلیم دینی چاہیے۔ میں آپ کو ایک واقعہ بتاؤں کہ یہاں پر ایک میرے پاس بہت اچھی موٹر سائیکل آٹھ دس سال پہلے تھی میں ایک لڑکے سے بنواتا تھا وہ لڑکا موٹر سائیکل بناتا تھا آج اس کے پاس دو ٹرک ہیں اور اس کی آمدنی ایک ہزار روپے روز ہے۔ اور مین اسٹریٹ میں وہ شہر میں ہندو نوجوان لڑکوں کی اس کی دکان پر بڑی آماجگاہ رہتی ہے۔ جہاں ہر وقت اس کے یہاں بھیڑ لگی رہتی ہے۔ یہ آدمی اب کوشش کر رہا ہے اپنے بچے کو اچھی جگہ پڑھانے کی۔ ہم اس کی مدد کریں اس کو سجیشن (Suggestion) دیں تو مسئلہ اسکا حل ہو جائے گا لیکن اگر ہم نے کرٹی سزم (Criticism) کیا اس طرح کی ایجوکیشن (Education) پر تو بہت حد تک لٹریسی پیدا ہو جاتی Adult-Education کے حکومت کے پروگرام چل رہے ہیں مسلمانوں میں بھی چلیں لیکن اس سے مسائل حل ہونے والے نہیں ہیں، آپ دیکھیے مسلمان اس جگہ پر پہنچ رہا ہے جہاں Quick Money ہے، وہ اسمگلنگ ہو چاہے حاجی مستان ہوں، پٹیل ہوں، اور انکو اس سے انڈسٹری میں جانا ہے،

فلم انڈسٹری ہو، جن میں اس نے اپنے مسائل کو کس طریقے سے کس حد تک حل کیا، میں نہیں کہہ سکتا ـــــــ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ اس پہلو سے ان مسائل پر توجہ ہو۔

ڈاکٹر امیر جانی

آپ نے جو فرمایا... ایک تو کئی بار یونی ورسٹی میں بھی سن رہے ہیں، اب کہا گیا کہ ہمارے اسکولوں کی جو ایجوکیشن ہے وہ پروپر نہیں اس وجہ سے ہم لوگ سب مل کر ہاشم صاحب سے (وائس چانسلر) درخواست کریں اس کے لیے ایک ایڈوائزری کمیٹی بنائیں اور جائزہ لیں چونکہ یہی اسکول جو ہیں ہمارے ہائیر ایجوکیشن کے لیے ہے چاہے ام بی بی اس کے کورسیز ہوں، یا انجینرنگ کے کورس ہوں یا ماسٹر کورسیز ہوں، اس کے لیے یہ Back bone ہے اور جیسا کہ حامد صاحب نے بھی بتایا کہ یہ جو آخری لڑکا کمپیٹیشن میں لیا جاتا ہے یا ایڈمیشن میں لیا جاتا ہے اس میں لوکل میں اور اکسٹرنل میں بہت فرق پایا جاتا ہے دس پندرہ فیصدی کا۔ ہملوگ مسلمانوں کے مسائل پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دو ہاتھ، دو پاؤں دیئے ہیں۔ اس لیے کہنے سے زیادہ ہم لوگ عملی قدم اٹھائیں اب خود ہم لوگ یہاں دو گھنٹے سے بیٹھے ہیں، اور کچھ فرض کی ادائیگی کا جتنا ہم لوگوں نے خیال کیا ہے ہم لوگ اپنی حاجت کے لیے بھی اٹھتے ہیں، چائے پانی کے لیے بھی اٹھتے ہیں تو اس پر بھی ہم لوگ غور کریں اور ہر آدمی اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھ لے کہ جو ذمہ داری ہے اس کی چاہے سروس میں ہو یا گھر کے حقوق ادا کرنے میں، وہ کتنی دیانتداری سے ادا کرتا ہے۔ چونکہ جیسا کہ کہا گیا ہے سب سے بڑا مفتی آدمی کا دل ہوتا ہے تو ہم لوگ ایسا کام نہ کریں کہ کسی آفیسر کی وجہ سے کہ کوئی ہمیں دیکھتا ہے کہ کام کرنا ہے یا نہیں کرنا ہے۔ بلکہ چونکہ ہم لوگ مسلمان ہیں اور ہم لوگوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے تو ہم لوگوں کو اپنی ذمہ داری سمجھ کر یہ کرنا ہے اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہم لوگوں کو پورے عالم کے لیے رہبر ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ ہماری کتاب عالمی کتاب ہے، ہمارا رسول عالمی رسول ہے، ہمارا خدا رب العلمین ہے۔ اس وجہ سے پوری دنیا کی رہبری مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔

ڈاکٹر عارف سہیل

ایک بات ہمیں یہ بھی دیکھنی ہے کہ مسائل کے ساتھ ساتھ جو کوششیں آج تک کیجاتی رہی ہیں وہ آخر تقریباً تمام کی تمام ناکام کیوں ہو جاتی ہیں۔ اس کی دو وجوہات جو میری سمجھ میں آتی ہیں ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ انسانی نظام ایک ایسا بڑا جال ہے جو بے شمار تاروں کا بنا ہوا ہے، تو اس میں سے چند تار اگر آپ کہیں سے کاٹ دیں تو پورا جال ڈھیلا ہو جاتا ہے، اب اگر کوئی شخص صرف ان ڈھیلے تاروں کو دیکھ لے اور وہیں سے ان کو ٹائٹ کرنے کی کوشش شروع کر دے تو وہ جال تا قیامت نہیں سدھر سکتا جب تک کہ ان ٹوٹے ہوے تاروں کی مرمت نہ کی جائے جن کی وجہ سے وہ جال ڈھیلا ہوا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم میں سے ہر فرد ایک لوکل پرابلم کو لیکر Isolated طریقے سے

Marfat.com

ـــــــــ تمام چیزوں سے اپنی آنکھیں بند کرکے اس کو حل کرنے کی کوشش کرتا ہے، تھوڑے دنوں بعد اس کا نتیجہ سازگار نہیں نکلتا، مایوس ہو جاتا ہے، چھوڑ دیتا ہے۔

دوسری وجہ اس کی یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص یہ سمجھتا ہے کہ اس میں ہر کام کی صلاحیت موجود ہے اور پیشہ ورانہ مہارت کو عام طور سے ہم لوگ اہمیت نہیں دیتے آئے ہیں۔ جبکہ پیشہ ورانہ مہارت کے بغیر آجکل کے زمانہ میں نہ سوسائٹی چل سکتی ہے اور نہ کوئی ادارہ چل سکتا ہے' اس طرح سے اور بہت سارے تار ہو سکتے ہیں لیکن چونکہ میں نے دو کی نشاندہی کی اور اس میں سے اگر آپ غور فرمائیں کہ جتنے مسائل آج یہاں پیش کیے گئے ان میں سے بیشتر کی بنیاد اسی سے ایک ٹوٹا ہوا تار ہے۔ ہمارے بچوں کی تعلیم کو لے لیجیے بچوں کی پرائمری تک ابتدائی تک' میں اسوقت اس کی زیادہ وضاحت نہیں کر رہا ہوں' آپ حضرات اگر غور کریں گے تو آپ کو محسوس ہو جائے گا کہ وہ تمام سلسلہ وہیں سے شروع ہوتا ہے۔ چاہے وہ فرقہ وارانہ ہم آہنگی کا ہو' چاہے ہندوؤں سے خوشگوار تعلقات کا ہو آپ اگر ایک اچھا اسکول قائم کریں مسلمانوں سے مراد یہ نہیں ہے کہ اس میں صرف مسلمان بچے ہی پڑھیں' بلکہ مسلمانوں کی مینجمنٹ (Management) میں ہو۔ اس میں مسلمان اور ہندو بچے دونوں پڑھیں اور وہ عمدہ اسکول ہونا چاہیے' جب یہ بچے ساتھ رہیں گے، یہی بچے کل بڑے ہوں گے، ان میں وہ منافرت آپس میں نہیں ہوگی جو عام طور پر آجکل دیکھنے میں آتا ہے۔ وہ ایک دوسرے کے دوست ہوں گے، ایک دوسرے کے ساتھ کھیلیں گے لکھیں گے، پڑھیں گے' تو صورت حال دوسری ہوگی، آجکل کے جو اسکول ہیں اس میں بھی ہندو مسلمان لڑکے پڑھتے ہیں مگر اس میں وجہ یہ ہے کہ وہ اسکول' ان کا وہ کیریکٹر نہیں ہے۔ جو کیریکٹر ہم چاہتے ہیں بنانا۔ وہ اسکول میں جب بچہ جاتا ہے تو تیسرے کلاس سے' اگر آپ کسی جاتے ہوئے بچے کو بلا کر بات کریں اس کو بھی میرٹھ اور پی۔ اے۔ سی اور تمام کا تمام علم ہوگا۔ Lack of Communications بہتر چیز ہے بجائے Over Communication کے۔ اس لیے کہ جو باتیں ان کو نہیں معلوم ہونی چاہیے وہ باتیں بھی ان کو معلوم ہوں گی۔

ایک بات اور عرض کرنا چاہوں گا کہ اکثر مسلمانوں کا سچ پوچھیے تو ایک قافلہ ہے جس میں کچھ لوگ کاروں پر سوار ہیں' کچھ بیل گاڑی پر ہیں اور کچھ بیچارے پیدل ہیں اگر ہم یہ اعتراض کریں کہ ہر کار والا بیل گاڑی کو جانے دے تب آگے بڑھیں گے اور بیل گاڑی والا یہ اعتراض کرے کہ پیدل والے کو آجانے دیجیے تب آگے بڑھیں گے تو وہ قافلہ وہیں سے پیدل کی رفتار سے چلے گا۔ ہم کو کوشش یہ کرنا ہے کہ کاروں

ہیں سے کچھ افراد رہ جائیں بیل گاڑی والوں کی مدد کے لیے اور اس میں سے کچھ افراد رہ جائیں پیدل والوں کی مدد کے لیے اور باقی کو آگے بڑھنا چاہیے تو ہم میں سے وہ شخص جسکو صلاحیت ہے ایک عمدہ اسکول قائم کرنے کی وہ مدرسہ قائم کرے اور جس میں صلاحیت ہو یونی ورسٹی قائم کرنے کی وہ اسکول قائم کرے تو یہ منصفانہ بات نہیں ہوگی اور یہ قوم کو پیچھے لے جانے والا ہوگا۔

ڈاکٹر شاہجہانپوری

جناب صدر آپ کی اجازت سے کچھ ایسے امور پر دو چار جملے کہنا چاہوں گا جو معزز مقررین نے اپنی تقریروں کے دوران اس کا حوالہ دیا تھا مثلاً بیدار صاحب نے ہسٹوریوگرافی کے سلسلے میں اپنی مشکلات کا اظہار کیا کہ کس طریقے سے Distorted Historiography ہو رہی ہے۔ میرا اپنا خیال یہ ہے کہ N.C.E.R.T کی جو کتابیں مثلاً بچوں کے لیے جو Prescribe کی گئی ہیں وہ بہت ہی جامع اور عمدہ کتابیں ہر اعتبار سے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ نہ صرف بچوں کے لیے بلکہ بڑوں کے لیے بھی بڑے اچھے میٹریل پرووائڈ کر سکتی ہیں تو ایک طرف تو آپ کا کہنا بجا ہے کہ کچھ حضرات شاید مختلف نقطۂ نظر سے اسکو لکھ رہے ہیں لیکن دوسری طرف یہ بھی بہت صحیح ہے کہ ایک بڑی Effort کی گئی ہے کہ اچھی طرح سے تاریخ لکھی جائے جو بہت ہی خوش آیند بات ہے۔ جہاں تک کہ حامد صاحب نے تعلیم کی ضرورت پر زور دیا اور علیگڑھ یونی ورسٹی کی حد تک جو تحفظ کی بات کی جارہی ہے کہ یہاں ایک فیصد مقرر کیا جائے آجکل اخبارات میں کافی خطوط آرہے ہیں اور یہاں کی ایڈمیشن پالیسی زیر بحث لائی جارہی ہے تو میرا ناچیز خیال اس بارے میں یہ ہے اور اس بارے میں گفتگو کی جاسکتی ہے وہ یہ کہ میں سمجھتا ہوں کہ فیصد تحفظ مقرر کیا جاسکتا ہے آئین اور ایکٹ کے حدود میں رہتے ہوئے اور کسی قسم کی Provocative چیز کو Concentrate کیے بغیر اس بات کو کیا جاسکتا ہے کیونکہ سوچنے کی بات ہے کہ اگر آپ ایک فطری ٹریڈ اور قدرتی بات کو رائج رکھتے ہیں اس میں اور کمپیوٹر کے ذریعے سے ایڈمیشنز کرتے ہیں اور آپ کے پاس یہ Fact بھی موجود ہے کہ بارہ سے چودہ پرسنٹ یا دس پرسنٹ مسلمانوں کی تعداد ہے تو Scientifically یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ایک حد پہ اگر وہ Convergence جو ہے وہ یہ ہوگا کہ نوے پرسنٹ جو ہیں وہ غیر مسلم اور دس پرسنٹ مسلمان۔ ویسے ہونا چاہیے۔ اگر دوسری Constraints آپ Rade نہیں کرتے ہیں تو نیچرل Tendency یہی ہونی چاہیے کہ Free Competitions کی Premise میں رہتے ہوئے جو وہ۔۔۔

Marfat.com

Ninety to ten کی Ratio پر آکر stabilize ہونا چاہیے۔ تو اگر اب آپ نے یہ دیکھا کہ پچاس پرسنٹ ہوگئی بات یا اس سے زیادہ جارہی ہے یا کچھ اور بات ہے تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ مثلاً آپ نے یہی کہہ دیا کہ کمپیوٹر جو ہے پچاس پرسنٹ کے اوپر ایک لکیر کھینچ دے گا کہ پچاس پرسنٹ کے نیچے مسلمانوں کا Average نہیں آنا چاہیے مثلاً ایک ایکٹ کی تحریک کے طور پر ایک بات عرض کردی جائے تو میں یہ نہیں سمجھتا کہ یہ کوئی ایسی بات ہوگی کہ اس میں کوئی بہت زیادہ دوسری یونی ورسٹی میں بات ہو یا کوئی دوسری کمیونیٹی میں بات ہو، بلکہ یہ تحفظ کا ایک Step Practical ہوگا جو کہ At way recognize کیا گیا ہے۔ یہ میری طرف سے ایک حقیر سی تجویز تھی اس پر غور کیا جاسکتا ہے کیونکہ سائنٹفک اعتبار سے تو یہ بات درست معلوم ہوتی ہے کہ Ultimately وہ Convergence جو ہے وہ 90% / 10% پر ہونا چاہیے اگر اور دوسرے Factors جو آپ کہتے ہیں کہ اپریٹ نہیں کرتے اور بالکل Free & Fair Competition ہے تو یہ چیز تو یقیناً قابل غور ہے جو اخبارات میں نشاندہی کی جارہی ہے تو میں نہیں سمجھتا کہ فرقہ پرستی کی کوئی بات ہے بلکہ محض یہ سائنٹفک بات ہے جو کہ سارے امور کو رکھتے ہوئے کی جاسکتی ہے۔ تیسری بات جو P.A.C. کے بارے میں انھوں نے عرض کی تھی میں یہ کہوں گا کہ سکسینہ صاحب کا Sunday Times میں Hindustan Times میں بہت اچھا آرٹکل آیا تھا جس میں انھوں نے یہ بات بتائی ہے کہ جب مسلمان کا فیصد عام کونسٹبلری میں ۳۰ فیصد تھا، اس وقت بھی ایک ہزار سے زائد رائٹ ہر سال ہوتی رہی، ۱۹۳۰ء میں اور ۱۹۴۰ء میں مسلمانوں کا Average خاص کرکے گھٹایا گیا ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ ایک سرکولر نکالا گیا کہ مسلمانوں کو نہ لیا جائے، احتجاج ہوا تھا کہ دس پرسنٹ ان کی آبادی ہے اور تیس پرسنٹ ان کی اس میں کیسی نمائندگی ہے، تو ان کا ریکروٹمنٹ روک دیا گیا، تو ایک اسٹیج ایسا آیا کہ اس میں ان کا Representation صرف ۲ پرسنٹ رہ گیا لیکن انھوں نے یہ بتایا کہ اس سے یہ نہیں ہوا کہ ــــــ فرقہ وارانہ فساد کی تعداد اس سے کچھ کم ہوگئی ہو تو یہ بات Scientifically نہیں ثابت ہوتی ہے کہ صرف مسلمانوں کی تعداد بڑھا دینے سے فرقہ وارانہ فسادات کی تعداد کم ہوجاتی ہو۔ ۱۹۷۰ء میں ہم نے کہا کہ کوئی فرقہ وارانہ فساد نہیں ہوا لیکن اس وقت مسلمانوں کی تعداد جو تھی وہ بہت کم تھی۔ اب اس وقت شاید ۵ پرسنٹ ہے تو ۱۰ پرسنٹ ہوسکتی ہے۔ یقیناً بڑھانی چاہیے اور انکو آگے آنا چاہیے مسلمانوں کو جو وہ نہیں آتے ہیں لیکن یہ بات واضح ہے کہ P.A.C. کی کارکردگی کا تعلق ان کے افسران کے کردار اور کچھ اس فورس میں ڈسپلن سے ہے اور یہ بات ۱۲۰۰ کے قریب

Marfat.com

پولس افسران ہیں یو۔پی میں معلوم یہ ہوا کہ وہ بڑی بری مثالیں اپنے جوانوں کے سامنے رکھتے ہیں، وہ جوان انکی کوئی عزت نہیں کرتے اور اس طرح سے بڑا Indiscipline اس فوج میں ہے، اس طرح کی بات بہت واضح طور سے جناب سکسینہ صاحب نے لکھی ہے، پولس کمیشن کا ذکر ہے کہ اس کی سفارشات پر غور کرنا چاہیے کہ یہ مسئلے بالکل Realistic ہیں۔ اس پر اس اعتبار سے بھی غور کیا جا سکتا ہے۔

رہا مسجدوں میں خطبے کو تبلیغ کے طور سے استعمال کرنے کا جس میں اخلاقی وعظ دیے جائیں یہ بہت اچھی بات ہے، مجھے یاد ہے کہ جب میں عراق میں تھا تو چھوٹی چھوٹی مسجدوں میں بھی وہاں پر جو وعظ ہوتے ہیں اس میں اخلاقی بات ہوتی ہے لوگوں کو یہ سمجھایا جاتا ہے کہ زنا بری بات ہے، چوری بری بات ہے، چھوٹے چھوٹے محلوں میں تو یہ مسجدوں میں بڑی اچھی بات ہوتی ہے جو محلے محلے میں ہے، مسجد کا کام ہی یہی ہے کہ ان کی اصلاح کرے، یہاں بدقسمتی یہ ہے کہ ہمارا آدمی جو جاتا ہے وہ جیسا جاتا ہے ویسا ہی تقریباً لوٹ کر آجاتا ہے۔ بلکہ بدقسمتی میں یوں کہوں گا کہ ایک مسجد میں مجھے جانے کا اتفاق ہوا وہاں یہ وعظ دیا جا رہا تھا کہ صاحب! اور لوگ تو شاید اپنی کتابوں کو سمجھ کے اس کا احترام کرتے ہیں لیکن ہماری قوم کا فخر یہ ہے کہ بنا سمجھے ہوئے اس کا احترام کرتی ہے، وہ اس طرح ــــ کی تبلیغ کر رہے تھے، اس طرح کی ذہنیت، میں سمجھتا ہوں کہ آپ غور فرمائیے کہ یہ کہاں تک، حقیقی طور سے اصلاح کا جو مقصد ہے، وہ پورا ہو سکتا ہے؟ جبکہ آپ یہ کہیں کہ صاحب اس میں سمجھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، آپ بنا سمجھے ہوئے اس چیز کی تحریک کرتے چلے جائیے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ بہت بڑی بدنصیبی ہے ہماری ہماری، اسپر پورا Hold ہونا چاہیے۔ حامد صاحب نے کہا ہم کسی تنازعاتی مسئلے میں نہیں پڑنا چاہتے۔ یہ بات لازمی ہے مثلاً یہ کہا جائے کہ نماز لوکل زبان میں ہو، ترکی میں ہوتی ہے ترکی زبان میں، اب یہ بہت سنگین مسئلہ ہوا اور یہاں تشخص کی بات کی گئی۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ مسئلے بہت اہم اور اصلی مسئلے ہیں کیونکہ یہاں پر آپ کو ایک حقیقت پسندانہ رویہ سے اس پر غور کرنا ہے کہ واقعتاً اصلاح ہو رہی ہے یا نہیں ہو رہی ہے۔ یا محض آنکھ بند کر کے اس چیز کو کرتے ہیں تو میں اس طرف یہ نشاندہی کرنا چاہوں گا کہ مقامی زبان میں اخلاقی وعظ ہوں اور ایک تو میں یہ سمجھوں گا کہ قرآن شریف ہو اور نماز کا پوری طرح سے اردو یا لوکل زبانوں میں ہونا، غور فرمانے کی بات ہے۔

جہاں تک فرقہ وارانہ فسادات کی بات ہے، میرا اپنا خیال ہے کہ سائنسی طرز فکر سے اس کا حل مہیا ہو سکتا ہے اگر آپ یہ کہیں کہ جذباتی میل ملاپ سے یہ بات حل ہو جاتی ہے میں نہیں سمجھتا کہ محض جذباتیات سے اس کو حل کیا جا سکتا ہے، بلکہ سائنسی طرز فکر جو دونوں چیزوں کو لیے ہوئے ہوتا ہے یعنی وہ صرف Rationally

بات نہیں ہوتی ہے بلکہ اس میں بہت سارے امور آجاتے ہیں۔ سائنسی طرزِ فکر ہی اس بات کا Ultimately ——— حل ہو سکتا ہے، اور جب تک ہماری سیاست اور ہماری دوسری طرح کی ذہنیت سائنسی طرزِ فکر سے متاثر ہو کر نہیں ہوتی، ہم کو ان مسائل سے برابر دوچار ہونا پڑے گا۔

آخر میں محلوں کی غلاظت کے بارے میں انھوں نے فرمایا کہ یہ مسلمان محلوں کی پہچان ہو گئی ہے —— میں یہ کہوں گا کہ اسکا تعلق کچھ انتظامیہ سے بھی نہیں جوڑ سکتے۔ کیا وجہ ہے کہ صرف مسلمان محلے ہی Slumms نظر آتے ہیں۔ اکثر میں نے یہ دیکھا کہ کم از کم دودھ پور وغیرہ کے محلوں میں کہ وہاں پر صفائی کا نظام ناپید ہے یا میونسپلٹی doesn't exist یا جیسا کہ علی گڑھ میں ایسا معلوم ہوتا ہے، دوسرے شہروں میں جائیے۔ میں ابھی پونا گیا تھا اور جگہ جائیے، زمین آسمان کا فرق ملے گا، کچروں کی ڈھیریاں ہر جگہ نظر آئیں گی، پھر کیا یہ آبادی کا فرض ہوتا ہے کہ وہ اپنے کچروں کے ڈھیر کو صاف کریں اور جگہ کیسے صاف ہو جاتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی بات ہے اب یہ ہے کہ اس کو Persue کرنے کے لیے نمائندے چاہیے، اور محلوں میں، کانپور وغیرہ میں، میں نے دیکھا کہ مسلم محلوں میں لوگ، خود نمائندے بنالیتے ہیں وہ برابر یہ کام کرتے ہیں، میونسپلٹی میں جاتے ہیں تو اس جگہ پبلک ورک کا والنٹری کام شروع کر دیتے ہیں۔ شاید یہ ضروری ہے کہ اس طرح سے Persue کرنا پڑتا ہے تب ہی کام ہوتا ہے ورنہ امید یہ کی جاتی ہے کہ یہ روٹین چیزیں ہیں جس کی ذمہ داری بانٹ دی گئی ہے —— اور جو ادارے ہیں وہ کام ——— کریں گے، لیکن یہ دیکھا گیا ہے کہ بعض دفعہ یہ نہیں ہوتا تو آخر میں، میں انصاری صاحب کی جو تقریر تھی اس پر صرف ایک بات کہنا چاہوں گا کہ انھوں نے یہ کہا ہے کہ قرآن اور سائنس کے بارے میں کہ سائنس سے قرآن کو جوڑنا غیر مناسب ہے، یہ جیسا کہ پوائنٹ آؤٹ کیا گیا، یہ میں خود سمجھتا ہوں کہ یہ ایک خطرناک بات ہے ایسی بات کرنا۔ کیونکہ سوال یہ ہے کہ سائنس کیا چیز ہے۔ سائنس کا تعلق عملی تجربے اور تصدیق کرتے سے چیزوں کے، تو ایسی بات تو ہو نہیں سکتی کہ آپ کہہ دیں قرآن شریف کا تعلق چیزوں سے ہے، ہی نہیں کہ ہم جو عملی طور سے جو تصدیق شدہ باتیں پاتے ہیں اس سے اس کا تعلق نہیں ہے میں نہیں سمجھتا کہ یہ کوئی مسئلے کا حل ہے قطعی نہیں، بلکہ اس کے بالکل برعکس ہے اور اس بارے میں بہت کچھ کہا جا سکتا ہے میں بہت کچھ نہیں کہوں گا، صرف یہی کہوں گا کہ اس بات کو کہنا کہ سائنس اور قرآن بالکل الگ باتیں ہیں۔ یہ ایک خطرناک بات ہے۔ یہ صحیح ہے کہ جزئیات پر ضرور عبور ہونا چاہیے Specialization کا دور ہے اور لازمی بات کہ قرآن کوئی Treatise نہیں ہے کوئی اس طرح کی انسائیکلوپیڈیا نہیں ہے

اس کا طرز بیان الگ ہے۔ یہ بالکل صحیح ہے لیکن سائنس کو اس سے الگ کر دینا یہ صحیح نہیں ہے۔

ڈاکٹر وارث کرمانی

آپ کی ضد اگر یہ ہے کہ میں ہندستانی مسلمانوں کے مسائل کا حل بالکل پازیٹو شکل میں آپ کے سامنے پیش کر دوں تو شاید میں یہ نہ کر سکوں گا۔ اس لیے کہ یہ مسئلہ تو ہزاروں برس کی تاریخ پر پھیلا ہوا ہے اور خاص طور سے پچھلے دو تین سو سال کی تاریخ تو Involved ہے ہی اس کے اندر ایک مصرع ہے

ع این شگافیست کہ تا دامن ایماں رفت است

تو یہ شگاف ایسا نہیں ہے کہ اس کا حل ہم فوری طور سے دے سکیں، جو باتیں میں نے سوچی تھیں کہنے کیلیے وہ زیادہ تر یہاں کہی جا چکی ہیں اس لیے کہ کچھ یہاں ایسے ہیں جنھوں نے اس پر Originally سوچا ہے خود سید حامد صاحب نے اپنی کتاب تصنیف کی ہے اور میں غالباً کچھ اضافہ نہ کر سکوں گا۔ ان معلومات پر جو یہاں اب تک پہنچ چکی ہے اور جو پوائنٹس میں پیش کروں گا وہ غالباً آپ کی ڈائری میں پہلے سے نوٹ ہو گی۔ تاہم میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس کے دو پہلو ہیں۔ بظاہر ایک داخلی پہلو ہے، ایک خارجی پہلو۔

داخلی پہلو کا جہاں تک تعلق ہے اس میں مسلمانوں کی تعلیم اور ان کے لیے ایسی صورتیں پیدا کرنا مثلاً یہ کہ ان کے پاس کوئی اخبار نہیں ہے، ان کے پاس کوئی سوسائیٹیز Institutions ایسی چیزیں نہیں ہیں، کوئی بڑا ابزنس نہیں ہے، وہ بیکورڈ ہیں تو یہ سب چیزیں ایسی ہیں کہ جن کا حل مسلمانوں کو خود اپنے طور سے کرنا ہے۔ اس کو خارجی سے کوئی تعلق نہیں ہے، البتہ ایجوکیشن کی بات میں، میری سمجھ میں یہ نہیں آتا ہے کہ ایجوکیشن کو جو کہا جا رہا ہے کہ شاید وہ حل ہو مسلمانوں کے مسائل کا، مجھے بالکل Paradoxically یہ محسوس ہوتا ہے کہ کہیں تعلیم ہی تو نہیں اس فرقہ واریت کا سبب بنی ہوئی ہے۔ اس لیے کہ جب میں دیکھتا ہوں، میں دیہات کا رہنے والا ہوں، یو۔پی کے پوربی اضلاع میں میرا وطن ہے اور خاص طور سے دیہات کے جو لوگ ہیں، ان میں مسلمان کم اور ہندوؤں کی تعداد زیادہ ہے، وہاں اس قسم کا کوئی پروبلم نہیں ہے۔ اب تک تو نہیں ہے اور جہاں تعلیم ہے خود ہندوؤں میں جو تعلیم یافتہ طبقہ ہے وہ زیادہ فرقہ واریت کے زہر میں مبتلا ہے بمقابلہ ان لوگوں کے جو پڑھے لکھے نہیں ہیں۔ غالباً یہی صورت مسلمانوں کے اندر بھی ہو سکتی ہے، وہ مسلمان جو پڑھے لکھے نہیں ہیں، ان کے اندر وہ فرقہ واریت کا زہر ہم نہیں پاتے ہیں پھر یہ کہ کچھ ایسی بھی چیزیں

Marfat.com

ہیں۔ یہاں پر تو وسیع پیمانے پر گفتگو ہو چکی ہے اس کو Thrash کرنا اور اس پر ہر چیز پر اظہار خیال کرنا ممکن نہ ہوگا۔ لیکن باہر کی جو چیز ہیں اس وقت مسلمانوں کو سب سے بڑا سامنا ہے جس لعنت کا، جس عذاب کا وہ فسادات ہیں، فسادات میں غالباً یہ بات اور لوگوں نے بھی مارک کی ہو، مثال کے طور پر میرا شہر لکھنؤ ہے وہاں کبھی فساد نہیں ہوا اور اب تک نہیں ہوا یا ان اطراف میں کبھی فساد نہیں ہوا، فساد صرف یوپی میں ہوتا ہے بیشتر۔ میں صرف یوپی کو سامنے رکھ کر بات کر رہا ہوں تو مجھے ایسا لگتا ہے کہ فساد کی ذمہ داری پورے طور پر نہیں تو خاصی حد تک خود اپنے اوپر ہمیں عائد کرنی چاہیے ہمیں۔ بجائے اس کے کہ آپ ہندوؤں کو تو خیر اس سلسلے میں کچھ کہنا ہی نہیں چاہیے اس لیے کہ Predominently ، By and large ہندو کے اندر وہ جس کو یہاں کہا جائے تشخص ملّی وہ پیدا ہی نہیں ہے ہندوؤں کے اندر، جس صورت سے مسلمانوں کے اندر پایا جاتا ہے، وہ تو بالکل ایک ایسا معاشرہ ہے کہ جہاں پر جس قسم کا سمجھے کہ ملّی تشخص بہر حال ان کے اندر نہیں پایا جاتا ہے اور جب ملّی تشخص نہیں پایا جاتا ہے تو یہ کہ ہم اس کو ان سے مقابلہ کرنے کے لیے اور اس لعنت کو دور کرنے کے لیے اگر ہم انہی کو Exploite کریں اور ایسی صورتیں پیدا کریں کہ ہم ان سے رابطہ قائم کریں اور ان لوگوں سے گفتگو کریں تو غالباً وہ ایسے متعصب Fanatic اور تنگ نظر نہیں ہیں جو ہماری جائز باتیں اور ہماری صحیح باتیں نہ مانیں۔ یہ ہم ضرور کہیں گے کہ ہندوؤں میں ایسی جماعتیں ہیں مثال کے طور پر آر۔ ایس۔ ایس ہیں جو سات سو برس کے مسلمانوں کے عہد حکومت کی وجہ سے ان کے اندر جو چیزیں پیدا ہوگئی ہیں وہ ان کے اندر زہر ہے لیکن اس کا حل یہ نہیں ہے کہ "تو ضرب بم زدی ضرب من نوش کن"۔ مسلمانوں کے لیے کم از کم، اور یہ کہنا جیسا کہ ایک پروفیسر نے یہاں کہا کہ میں تو Equal citizen ہوں ہندستان کا اور میں Assert کرتا ہوں ٹھیک ہے۔ Idealistic point of view سے یہ صحیح ہے لیکن یہ نہ بھولنا چاہیے کہ Might is right ۔ دیکھنا یہ چاہیے کہ طاقت کہاں ہے، حکومت کس کے ہاتھ میں ہے Let us see very realistic about it. اور جذبات میں اگر جوش میں آکر بات نہیں کرنی چاہیے، وہ حکومت، وہ طاقت، وہ ملیٹری وہ P.A.C. جو کچھ بھی ہے اس کو ہمیں Face کرنا ہے۔ تو اس کو Face کرنے میں ہم کو صبر سے، استقلال سے، ہمت سے۔ Con-vincing انداز سے ان سے گفتگو کرنی ہوگی۔ اس سے رابطہ قائم کرنا ہوگا اور یہ مجھے کامل یقین ہے کہ ہندوؤں کی اکثریت کمیونل نہیں ہے، اقلیت ہو سکتی ہے اور تعلیم یافتہ اقلیت کے اندر بھی بہت سے روشن خیال لوگ موجود ہیں، ان کو

Marfat.com

بُلا کے ان سے گفتگو کرنے کی ایک تجویز تھی، وہ بہت مناسب ہے، اور اس کے علاوہ جو اور تجویزیں ہیں ان میں
مسلمانوں کی تعلیم کے سلسلے میں مجھے یہ ضرور کہنا ہے کہ ان کی Job-oriented تعلیم کے علاوہ جس سے
کہ ان کا دماغ ہمہ وقت کسی زہر میں مبتلا نہ رہے کہ بگڑ نہ ہو تو کہاں جائیں ہو تو کیونکر ہو! وہ اگر اس میں مصروف
رہتے تو ذرا سی Healthy thinking ہوتی، ذرا سا ان کے اندر زیادہ فائدہ ہوگا، ـــــ
Confidence پیدا ہوگا۔ لیکن ان کی تعلیم میں ایک پہلو ایسا ضرور ہونا چاہیے کہ جو ان کو کم از کم Broad-
minded بنا سکے۔ وہ اس ملک میں رہنے کے لیے ضروری ہے۔ دیکھیے تاریخ میں یہ ظاہر ہے کہ مسلمان یہاں
آئے اور انھوں نے ہندستان کو فتح کیا۔ اس کے بعد اکبر کے دور میں جب مغلیہ سلطنت تھی اس وقت
جب مسلمان لوگ برسرِ اقتدار تھے، حکومت تھی، تو اس وقت بھی اکبر کو اپنی پالیسی بدلنا پڑی تھی، اس لیے کہ وہ یہ
چاہتے تھے اور اس وقت کے علماء جیسے ابوالفضل اور فیضی اور پورا Intellectual Circle تھا ان
لوگوں کا یہ خیال تھا کہ وہ Attitude جو ایران یا افغانستان یا سنٹرل ایشیا کے اندر مسلمانوں کا جو
Attitude ہے ادب میں، شاعری میں، فلسفے میں اور سیاست میں، وہ ہندستان میں کارگر نہ ہوگا۔
یہاں کی فضا جو ہے اس میں ایک سوسائٹی، ایک معاشرہ ایسا ہے کہ اس کے اندر ہر قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں
صرف سینٹ پرسینٹ مسلمان آبادی ہندستان کی نہیں ہے تو اس حکومت نے جب اپنا Attitude بدلا
اور ان لوگوں کو Compromise اور مفاہمت کے طریقے اختیار کرنے پڑے۔ آج جبکہ وہ حکومت
ختم ہو چکی ہے اور ہم لوگ دست نگر ہیں اور ہم لوگ بمورت سے ہیں کہ ہم اپنی زبان سے جو کچھ چاہیں
کہیں لیکن حکومت میں، پولس میں، ایڈمنسٹریشن میں، ملٹری میں، کہیں ہمارا وجود نہیں ہے۔ اور ہم اپنی جگہ پر
اکڑ کے بات چیت کریں تو یہ مناسب نہ ہوگا، بلکہ یہ ہم پہ ذمہ داری ہے خود مسلمانوں پر کہ وہ ہمیں اکی
مخالفت نہیں کر رہا ہوں مجھے خوب معلوم ہے جن لوگوں نے یہاں فسادات پہ اظہارِ خیال کیا، اس سے زیادہ
میرے دل کے اندر زخم ہے اس کا اور بہت گہرائی کے ساتھ میں نے محسوس کیا ہے اسے، مگر گری لال جین
جس صورت سے مضامین لکھتے ہیں یا اور متعصب لوگ لکھتے ہیں اس کی بھی مجھے پوری اطلاع ہے، میں اخبا
پڑھتا رہتا ہوں، دیکھتا رہتا ہوں۔ لیکن مجھے یہ کہنا ہے کہ یہ Attitude "تو ضرب زدی ضرب من نوش کن"
اس کے بجائے ہم کو مفاہمت کا انداز اختیار کرنا چاہیے؛ اور مسلمانوں کی تعلیم میں سید حامد صاحب سے
مجھے خاص طور پر یہ گزارش کرنی ہے کہ دینی تعلیم ہو یا ادبی تعلیم ہو یا سائنس کی تعلیم ہو، ایک تعلیم ایسی بھی

Marfat.com

ہو کہ جس سے ان کی Line of thinking ان کا Attitude جو ہے وہ بدل سکے۔ اس کا
کیا طریقہ ہو۔ اسپر سوچنے کی ضرورت ہے۔

ڈاکٹر طاہر بیگ

مسلمانوں میں ایک Artisan community Servant کیمونٹی کلچر Develope
ہو چکا ہے، آزادی کے بعد سے اور اس کے جو Dangerous implications ہیں مسلمانوں
کے اندر تعلیم کی طرف سے بے توجہی، اور بچوں کو Child labour کی طرف زور۔ اس کے علاوہ
Slum ٹائپ کی ان کی Dealings اور دوسرے مسائل گندگی کے، یہ سب چیزیں پیدا ہو رہی ہیں
تو جہاں تک مسلمانوں کا بنیادی مسئلہ ہے وہ یہ ہے کہ ہندستان کے مسلمان، اس وقت جو ہیں ایک
ٹوٹل Degeneration process کا شکار ہیں۔ یہ تمام مسائل اس کے جزئیات ہیں، یہ
کوئی ایک مسئلہ علیحدہ سے لے کر کے ہم اس ٹوٹل Reverse Degeneration process
نہیں کر سکتے۔ تمام مسائل کو ہمیں ایک دوسرے سے مربوط کر کے دیکھنا ہو گا۔

میں معاشی مسئلے کی طرف آؤں گا، اگر ہمیں مسلمانوں کا Degeneration process روکنا
ہے تو ہمیں سوشل ویلفیئر یا اکانومک ویلفیئر کے پروگرام کی بجائے اکانومک ڈولپمنٹ کے Concept کی طرف
توجہ مرکوز کرنا پڑے گی، آج تک مسلمانوں کے پاس بہت سارے شہر ہیں جہاں پر ان کے ـــــ
Muslim Specialisation کی چیزیں ہیں کنزیوم آئٹمس کی لیکن یہ Consumer items Speciali-
zation جو ہے وہ مسلمانوں کے انڈسٹریل بیس کو Diversity اور Extend نہیں کر سکا ہے بلکہ
یہ Total degeneration process کو مزید Stagnent کر رہا ہے، ہمارے یہاں جو اس
وقت کوششیں شروع ہوئی ہیں مسلمانوں کے معاشی مسئلے کو حل کرنے کی، وہ بھی اتفاق سے انہی چیزوں پر
مرکوز ہیں کہ جو مسلمانوں کی اس Servant Culture Artison comnunity کو مزید
Stagnent نہ کریں گے۔ میں تنقید نہیں کر رہا ہوں، ہمارے یہاں Center of-inter-disciplinary deve-
lopement Studies بنا ہے، ہم نے کام شروع کیا ہے مسلمانوں کے Artisans کے اوپر، لیکن میں یہ مشورہ دوں گا
میری یہ رائے ہے کہ اگر آپ اسے منظور کریں کہ مسلمانوں کے انڈسٹریل Base کو Divenity کرنے
کے لیے، وہ جو Scientifically more Advanced جو Industrial lines ہیں اس میں مسلمانوں کو

Comperative advantage یا Specialization حاصل کرانے کے لیے کوشش کی جائے
اس کے علاوہ مسلمانوں کا Emphasis جو ہے وہ Small Scale Industries اور
Cottage Industries سے ہٹا کر کے Corporate Centre کی طرف کیوں نہ ہم مبذول
کرائیں۔ کیونکہ جب تک ہم ایک Co-group پیدا نہیں کریں گے، مسلمانوں کا اکانومک Development
نہیں ہو سکے گا۔ ہمیں کچھ ایسے Co-group Co-industries بنانا پڑے گا جو Corporate
Industrial میں ہو، اب اس میں .... Industries کو بھی ہم شامل کریں جو
کہ Smallest Sector میں ہو، تاکہ جو مسلمان New comers ہیں وہ مارکیٹنگ کے پروبلمس
سے Financial Management کے پروبلمس سے یا Technical know - how
کے پروبلمس سے وہ For sometimes اس سے محفوظ ہو جائیں اور ہماری Corporate Centre
—— کی جو انڈسٹریز ہیں دو چار، ان کو ایک تحفظ پروائڈ کریں، تو میں سمجھتا ہوں کہ اگر ہم ——
Corporate Sector سے اور More Advanced Industrial Lines میں Specialization کی
طرف توجہ مبذول کریں تو مسلمانوں کا معاشی مسئلہ حل ہو سکتا ہے اس کے ساتھ ہی ساتھ مسئلہ جو ہے، ——
Human Resource Development سے بھی جڑا ہوا ہے۔ ہمارے یہاں جو اس وقت Humen
Capital ڈولپ ہو رہا ہے اور Promotion اس کا ہو رہا ہے ان کا Absorption
جو ہے وہ Decent Employment Avenues میں ہونا بہت ضروری ہے۔ Otherwise
جب Reward نہیں ملے گا Investment in Education کا تو مسلمانوں کو آپ کتنا ہی
Persue کریں مسلمان ایجوکیشن کے اوپر Invest نہیں کریں گے۔

ڈاکٹر صابر اقبال

ہم جو بھی قدم اٹھائیں وہ سیاسی مقصد کے لیے ہو یا معاشی خوشحالی کے لیے ہو یا تعلیمی میدان میں ہو، اگر ہم میجوریٹی کمیونیٹی کے ساتھ، ہم اکثریتی فرقے کے ساتھ کاندھے سے کاندھا ملا کر نہیں چلتے، اس وقت تک ہماری ترقی ہماری خوشحالی ممکن نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ خیال ٹھیک نہیں ہے۔ آپ اگر تاریخ کے آئینے میں دیکھیے، ۱۸۵۷ء میں ہم نے کاندھے سے کاندھا ملا کر آزادی کی لڑائی لڑی، اس کے بعد خلافت تحریک میں ہم نے ہندو مسلم اتحاد کا وہ نمونہ پیش کیا لیکن کیا نتائج نکلے۔ ہندو فرقہ واریت کی بھیانک شکل جو نہرو رپورٹ کی شکل میں ہمارے

Marfat.com

سامنے آئی۔

حل یہ ہے کہ جیسا ابھی معز الدین صاحب نے اشارہ کیا تھا آر۔ایس۔ایس کی طرف کہ یہ ایک تنظیم ہے، میں یہ کہوں گا آر۔ایس۔ایس ایک تنظیم نہیں بلکہ ایک ذہنیت ہے۔ جو کہ کانگریس میں بھی ہے، جنتا پارٹی میں بھی یہ ذہنیت ملے گی، سی۔پی۔آئی میں ملے گی، سی۔پی۔ایم میں ملے گی۔ ایک مثال یاد آگئی تین سال پہلے نمبودری پد صاحب یا ابھی تین سال پہلے غالباً جب سیٹھ سلیمان صاحب پاکستان گئے، وہاں کسی ذاتی گفتگو میں یا کسی پریس کانفرنس میں ہندستان کے مسلمانوں کا ذکر آیا اس پر انھوں نے اظہار خیال کیا اور بتایا حالات ناگفتہ بہ ہیں تو اس پر سب سے پہلے جو یہاں Reaction ہوا وہ سب سے بڑے سیکولرزم اور سوشلزم کے علمبردار نمبودری پد صاحب نے سلیمان صاحب کو فرقہ پرست، ملک دشمن کیا کیا نہیں کہا اور حالانکہ وطن پرستی اور حب الوطنی ہمارے سامنے ہے لہذا ہمیں اور خاص طور پر جو نوجوان فرقہ ہے آزادی کے بعد ہمیں نہیں معلوم پاکستان کس نے بنایا، ہوں گے کوئی، ہم تو آزادی کے بعد پیدا ہوئے، ہم نے اس میں سانس لی جو آزاد فضا کہی جاتی ہے اگر ہے وہ مگر ہم نہیں محسوس کر رہے ہیں کہ ہم آزاد ہیں۔ ہندو فرقہ واریت اگر ہم آگے بڑھتے ہیں تو ہندو فرقہ واریت کا زہر ہمارے ذہنوں پر اس طرح ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ ہمیں Discovrage کیا جا رہا ہے، ہماری ہمت شکنی کی جا رہی ہے لہذا ہم اس نکتے کو سامنے رکھیں، وہ خواہ کوئی میدان ہو، تعلیمی میدان ہو، یا سماجی میدان میں ہو یا اپنی ثقافت کے تحفظ کے سلسلے میں، اپنی مساجد اور اپنے مدارس، تعلیمی ادارے، اپنے تحفظ کے سلسلے میں ہوں اس سے ہم ہشیار رہیں۔ یہ ایک بہت بڑی ذہنیت ہے جو کام کر رہی ہے اور یہ ہر جگہ کار فرما ہے۔ اس کو ذہن میں رکھنا ہے۔

ڈاکٹر یٰسین مظہر صدیقی

ایک مسئلہ لیڈرشپ کا پیدا ہوا تھا۔ اس قوم کو بڑے اور چھوٹے مسئلے کا سامنا یہ ہے کہ مسلمانوں کی کوئی لیڈرشپ نہیں ہے، کسی بھی سطح پر سیاسی رہنمائی موجود نہیں ہے مسئلہ یہ ہے کہ سیاسی رہنمائی ہو یا اجتماعی رہنمائی کی کوئی دوسری شکل، اس کی دو ہی صورتیں ہوتی ہیں، یا تو اوپر سے اس کی رہنمائی آتی ہے یا مرکزی یا صوبائی اعتبار سے نیچے کی سطح سے عوام میں پیدا ہو، ہمارے یہاں مشکل یہ ہے کہ جہاں سے رہنمائی ہم کو مل سکتی ہے، چاہے وہ یونی ورسٹی ہوں، کالج ہوں، مدارس ہوں یا مسلمانوں کے دوسرے تنظیمی ادارے ہوں، وہاں مسلمانوں کو رہنمائی کے لیے، قیادت کے لئے تیار ہی نہیں کیا جاتا اور اس قسم کی قیادت یا رہنمائی ہاتھ میں آ رہی ہے یا جو دوسری قیادت کو پیدا

کر رہی ہیں، نتیجہ یہ ہے کہ سیاسی میدان میں بھی بہت ہی سطحی قسم کی قیادت آ رہی ہے۔ لہذا اگر مسلمان قوم کو بڑھانا ہے تو اس کی تنظیم کے لیے ان کے مسائل کو حل کرنا ہے تو سب سے پہلے اس کے لیے ایک تنظیم ہونی چاہیے، اور یہ تنظیم چھوٹی سطح سے لے کر کے بڑی سطح تک ہو سکتی ہے۔ مسلمانوں میں قیادت پیدا کرنی چاہیے، جو خالص صالح قیادت ہو اس کے بغیر مسلمانوں کے مسائل کو حل کرنا ممکن نہیں۔

ڈاکٹر مقبول احمد

سید حامد نے جو فرمایا دینی تعلیم اور عصری تعلیم میں مطابقت ہونی چاہئیے یہ صحیح ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ دینی تعلیم اور دنیوی تعلیم میں کوئی فرق ہونا ہی نہیں چاہئیے کیونکہ دینی تعلیم جو ہے پچھلے چھ سو سال سے اسکو عصری تعلیم سے ہم نے الگ کر دیا ہے۔ تاریخ میں اگر دیکھیں تو وہ ہمارے تنزل کا زمانہ تھا جبکہ دینی تعلیم نے یہ شکل اختیار کی کہ آج بھی اقلیدس اور علم الحساب پڑھایا جاتا ہے جو کہ دو ہزار سال پہلے لکھا گیا تھا۔ اقلیدس نے دو ہزار سال پہلے جو کتاب لکھی تھی اسکے عربی و فارسی ترجمے آج مدرسوں میں پڑھائے جاتے ہیں۔ یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ اس زمانے میں دینی تعلیم اور دنیوی تعلیم میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا تھا۔ تعلیم ایک ہی ہوتی تھی چاہے وہ سائنس ہو چاہے آرٹس، چاہے دینی تعلیم ہو چاہے قرآن ہو چاہے حدیث ہو چاہے تفسیر ہو۔ یہ فرق تیرہویں چودھویں صدی میں آ کر پیدا ہوا۔ اور چونکہ یہ مسلمان قوم پچھڑ گئی اور یورپ میں Renaissance ہوا وہ قومیں آگے بڑھ گئیں اسلیے وہاں سائنس نے بھی ترقی کی اور ریسرچ وہاں ہوئی اسلیے وہ ہم سے آگے بڑھ گئیں لیکن اس کا یہ مقصد نہیں ہے کہ ہم اس دینی تعلیم کی یہ موجودہ شکل برقرار رکھیں یہ بہت ضروری ہے کہ نصابِ تعلیم مدرسوں کا یہ کئی برس پہلے میں اپنے مضمون میں بھی لکھ چکا ہوں ایک سمینار کے سلسلے میں مدرسے پر ایک مضمون میں نے لکھا تھا کہ مدرسوں کی تعلیم Modernized ہو جانی چاہیئے۔ دینی تعلیم یقیناً دینی چاہیئے اسلام کی جو صحیح تصویر ہے وہ مسلمان کے بچوں کے سامنے ضرور پیش کرنی چاہیئے۔ لیکن وہ تعلیم یا وہ نصاب جو کہ امام غزالی نے اور نظام الملک نے بارہویں صدی میں بنایا تھا جو کہ آج تک پڑھایا جا رہا ہے، خدا کے لیے اس ایک ہزار سال کے نصاب کو تو بدلیے۔ وہاں کم از کم سائنس ایجوکیشن جو ہے، اسکو تو موڈرنائز کیجیے، وہی جغرافیہ وہی تاریخ وہی میتھمیٹکس وہی اقلیدس وہ جو چلی آ رہی ہیں کتابیں ایک ہزار سال پہلے لکھی گئی تھیں، ان سے مسلمان بچوں کا نقصان ہوتا ہے۔ پچاس فیصدی مسلمان بچہ اسکی میں سمجھتا ہوں کہ عمر ضائع ہوتی ہے۔ یہ اس پر ایک ظلم ہے، میں سمجھتا ہوں۔ کیونکہ جب یہ بچے پڑھ کر نکلتے ہیں۔ اور چودہ یا پندرہ برس کی عمر میں جب یہ مدرسوں کی تعلیم پا کر باہر نکلتے ہیں تو ان کے لیے موڈرن سوسائٹی میں کوئی جگہ نہیں ہوتی۔ ان کے لیے کوئی نوکریاں نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ ڈگری ہی

نہیں مانی جاتی۔ سب سے بہتر طریقہ وہی ہے جو آپ نے اپنی کتاب میں فرمایا کہ نصاب کو موڈرنائزڈ کیا جائے، دینی تعلیم بھی ضرور دی جائے اور ساتھ ہی ساتھ ان مدرسوں کو یا بڑے اداروں کو جیسے ندوہ ہے اور دیو بند ہے۔ ان کو یونیورسٹیز کا درجہ دیا جائے، اور جو چھوٹے مدرسے ہیں ان کو کالجیز کا درجہ دیا جائے۔ رجسٹرڈ کروایا جائے، دینی تعلیم بھی اس میں دی جائے۔ جیسے کرسچین مشنری کالجیز میں ہوتا ہے۔ وہ اپنی دینی تعلیم دیتے ہیں ان کو روک نہیں سکتا ہے، آپ کا جی چاہے وہاں اپنے بچوں کو بھیجئے یا نہ بھیجئے یہی سلسلہ ان دینی مدرسوں کا بھی ہو سکتا ہے تو یہ ہے وہ فرق جو زبردست Dichotomy مسلمان کے بچوں کی تعلیم میں جو ہندستان کے اندر ہے جو دوسری قوموں میں نہیں ہے اب ہندو بچہ پاٹھ شالہ میں نہیں جاتا ہے سنسکرت پڑھنے کے لیے، وہ سیدھے پرائمری اسکولوں میں جاتا ہے اور موڈرن ایجوکیشن حاصل کرتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ دنیا کے کسی اسلامی ملک میں ایسی تعلیم رائج نہیں ہے جو کہ ہندستان کے اندر اسطرح سے رائج ہے آج۔

کرنل ناصر نے جب ازہر یونیورسٹی کو موڈرنائزڈ کرنے کی کوشش کی تو ازہر کے علمار نے مخالفت کی یہ تو دس سال پہلے کی بات ہے، جیساکہ شیخ محمد عبدہ کے زمانے میں جب انہوں نے موڈرنائزڈ کرنے کی کوشش کی تو شیخ محمد عبدہ کی سخت علمار نے مخالفت کی۔

جس طرح سے کہ انھوں نے موڈرنائزڈ کرنے کی کوشش کی کرنل ناصر نے ازہر یونیورسٹی کو موڈرنائزڈ کیا۔ اسمیں مخالفت علمار نے کی تو انھوں نے یہ کہا کہ آپ کے سارے بچے تو موڈرن ایجوکیشن حاصل کرتے ہیں لیکن آپ یہ چاہتے ہیں کہ — دوسروں کے بچے اس طرح کی تعلیم حاصل کریں اسکا جواب وہ علمار نہیں دے سکے۔

چنانچہ ازہر یونیورسٹی ایک موڈرن یونیورسٹی ہوگئی۔ تو مری رائے میں مختصراً مجملاً یہ ہے کہ ——
سب سے پہلے انٹرنل ڈائکوٹومی جو سوسائٹی میں ہے وہ ختم ہونی چاہیئے، تعلیم کے سلسلے میں اور اس کے بعد ہمیں کوشش کرنا چاہیئے کہ Out-let مسلمان بچوں کے لیے خاص طور سے ٹیکنیکل اور سائنس کالجیز ہیں، ایسے پیدا ہو جائیں اگر ہم ان کو قائم کر سکیں۔ تو ان کی بھلائی کے لیے ایک Positive اقدام ہو سکتا ہے۔

ڈاکٹر نفیس احمد

دراصل بہت سے مسائل ہیں چھوٹے بڑے مسلمانوں کے اور اس پر کافی لکھا بھی گیا ہے اور کچھ بولا بھی جا چکا ہے۔ اور ہوتا رہتا ہے۔ جب یہ نشستیں ہوتی ہیں تو اس وقت ایک فکر ہر آدمی کے دل میں پیدا ہوتی رہتی ہے اور یہ نشستیں ختم ہونے کے بعد پھر دھیرے دھیرے اپنے مسائل میں الجھ جاتے ہیں اور یہ ذکر و فکر ذہن

Marfat.com

سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ تو بہت سے مسائل ہیں میں سمجھتا ہوں کہ اسمیں اس بات کی ضرورت ہے کہ ایک کمیٹی کوئی بنائی جائے اور یہ کمیٹی پورے ہندستان کی سطح پر ایک سمینار کرے۔ اور اسمیں جو اہم مسائل ہیں اور ان کے حل معلوم کیے جائیں اور اس کے بعد ان مسائل کے حل کرنے کی کوئی ترکیب بنائی جائے۔ خطوط متعین کیے جائیں اور انکو حل کرنے کی کوشش کی جائے۔ پھر یہ کمیٹی وقتاً فوقتاً ملتی رہے، ضرورت ہو تو اسکی کانفرنس کی جائے' اس کا جائزہ لیا جاتا رہے بیچ بیچ میں' تو جو کام، جو مسائل ہیں ان کے حل کی جو ترکیب شروع کی جائے گی' وہ بالترتیب دھیرے دھیرے وہ چیز بڑھتی رہے گی۔ ہوتا یہ ہے کہ سمینار تو ہو جاتے ہیں اس کے بعد میں ہم سب بھول جاتے ہیں۔ تو بس اس اہم نکتے کی طرف میں متوجہ کرنا چاہوں گا باقی مسائل تو بہت ہیں' میرے بھی ذہن میں ہیں۔

ڈاکٹر شلیش زیدی

جب خواجہ معین الدین چشتی ہندستان تشریف لائے، تو ان کے سلسلے میں ایک روایت یہ ملتی ہے کہ افہام وتفہیم کے لیے انھوں نے یہاں کی زبان سیکھی یہ بہت اہم چیز ہے؛ یہاں یہ کہا گیا کہ اکثریت سے قریب آنے کی کوشش کی اور یہ بہت اچھا پہلو تھا، لیکن آج صبح کا اجتماع اور شام کا اجتماع اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ پروفیسر کے پی سنگھ اور انکی اہلیہ کے علاوہ کوئی غیر مسلم نہ صبح کے اجتماع میں تھا اور نہ اس وقت۔

ایسا لگتا ہے کہ ہم نے کوشش نہیں کی۔ معاف کیجیے گا جو لوگ منتظمین ہیں، میری گذارش ان سے خاص طور سے ہے کہ ہمیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم نے کوشش نہیں کی کہ دوسرے لوگ آئیں۔ ہم اپنوں کے بیچ میں بیٹھے' اپنی محفلوں میں بیٹھے بڑی بڑی باتیں کرتے ہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ چونکہ میرا ہندی ادب سے تعلق ہے اور اس سلسلے میں غیر مسلموں سے میرا رابطہ زیادہ رہا ہے اور مختلف موضوعات پر گفتگو کرنے کا مجھے موقع ملا ہے میں نے کسی کو کمیونل نہیں پایا' ان لوگوں کو بھی نہیں پایا جو لوگ بہت زیادہ Communal کہے جاتے ہیں۔ میں نے یہ دیکھا کہ اگر ان سے ان موضوعات پر گفتگو کی جائے تو وہ بہت ہی Patience کے ساتھ اسے سنتے ہیں اور سننا پسند کرتے ہیں اور سمجھنا بھی پسند کرتے ہیں۔ مسلمانوں کی سب سے بڑی کمی یہ ہے کہ غیر مسلمانوں کے درمیان جا کر وہ کبھی بھی اپنی باتیں نہیں کہتے' وہ چاہتے یہ ہیں کہ وہ آئیں، حضور والا آپ تشریف لے جائیے' میں یہاں پوچھنا چاہوں گا کہ چودہ سو جو یہاں اساتذہ ہیں انکے غیر مسلم احباب کتنے ہیں۔ ہر استاد اپنی اپنی جگہ پر ذرا سا یہاں یہ سوچے اور یہ تجزیہ کرے کہ اس کا ذاتی طور پر اپنا غیر مسلم دوست ہے کوئی' یا نہیں۔ اس کے ساتھ کبھی ان کی نشست و برخاست ہوتی ہے یا نہیں ہوتی۔ زبان سے متعلق میں نے علیگڑھ میں ایک عجیب بات پائی۔ یہ نفرت کا جذبہ جب اردو کے

Marfat.com

خلاف اٹھائی جاتی ہیں آوازیں تو آپ بگڑ اٹھتے ہیں۔ لیکن میں نے دیکھا کہ وہ اساتذہ جو یہاں سائنسی علوم کی تعلیم دیتے ہیں وہ بھی اپنے بچوں کو ہندی سے متعلق متنفر کرتے ہیں۔ اور اسکی زندہ مثال میں یہ دینا چاہوں گا کہ لیڈی فاطمہ کے بیشتر یہاں کے اساتذہ کے بچے ہندی میں یا تو بہت کم نمبر پاتے ہیں یا تقریباً فیل ہو جاتے ہیں۔ اس کا خود مجھے اپنا تجربہ ہے کیونکہ جب ایکزامنیشن قریب ہوتے ہیں تو اسوقت ہم میں سے بہت سے لوگ اپنے بچوں کو لے کر ہم لوگوں کے پاس آتے ہیں کہ صاحب ذرا انہیں یہ سمجھا دیجئے اور اسکی وجہ یہی ہے کہ جب بھی ٹی وی پر، ریڈیو پر یا کوئی مقرر جس وقت ہندی زبان میں تقریر کرتا ہے، بالغرض میں ہی اگر ... ہندی میں اپنی بات کہتا ہوتا تو بہتوں کی پیشانیوں پر میرا خیال ہے کہ عجیب انداز کی مضحکہ خیز ہنسی دیکھنے کو ملتی ہے۔ میں نہیں سمجھتا ہوں کہ جو دوسروں کی زبان کی عزت کرنا نہیں جانتا اسکی اپنی زبان کی عزت کیوں کر کی جائے گی؛ لہذا یہ بہت بنیادی مسئلہ ہے کہ افہام و تفہیم کے لیے آپ دوسرے کے کتنا قریب جانا چاہتے ہیں، مجھے یاد آتا ہے کہ ۱۹۶۶ء میں، مفتی عتیق صاحب میں اور اکبر آبادی صاحب، ہم لوگ اردو بازار میں بیٹھے ہوئے تھے اور مسلمانوں کے مسائل پر بات ہو رہی تھی خاص طور سے اقتصادی مسئلے پر گفتگو ہو رہی تھی، میں نے یہ کہا تھا کہ اگر شریعت اجازت دے تو میں ایک مشورہ دینا چاہتا ہوں اور وہ ______ Suggession اس مجمع کو خاص طور سے دینا چاہوں گا، اسلیے کہ میرے نزدیک شریعت اجازت دیتی ہے، مسلمانوں میں عید الفطر کے نام سے ایک تہوار ہوتا ہے اور ہر مسلمان پر فطرہ نکالنا واجب ہے، اور اس لیے تاکہ وہ محتاج اور مسکین اور جو ضرورتمند ہیں ان کی ضرورتیں اس ذریعے سے پوری کی جا سکے۔ بس میں سمجھتا ہوں اگر تسلیم کر لیا جائے کہ مسلمانوں کی آبادی بارہ کروڑ ہے، اور اگر یہ مان لیا جائے کہ ان میں سے صرف تین کروڑ خوش نصیب مسلمان ایسے ہیں جو فطرہ نکالتے ہیں تو ایکدن یعنی محض عید کے دن، جو فطرہ نکالا جاتا ہے وہ تقریباً پندرہ کروڑ روپیہ ہوتا ہے۔ اگر اس پندرہ کروڑ روپے کا Centralisation کر لیا جائے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ایک بڑی انڈسٹری ہر سال اس ملک میں نہ بنائی جا سکے اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ دس برس میں اس ملک میں انڈسٹریز کا ایک جال بچھ جائے، اور ملک خود آپ کا میں سمجھتا ہوں کہ احسانمند ہو اور نہ جانے کتنے غریب اور نادار مسلمانوں کی اسکے ذریعے سے مدد کی جا سکتی ہے۔ لہذا اگر آپ ذرا سا اپنے انٹرپریٹیشن کو ______ بدل دیں کہ نہیں صاحب وہ تو محض اپنے اداروں کو بھیجنا چاہیئے، جیسے کہ جو یتیم خانے ہیں ان کو غریبوں میں بانٹ دینا چاہیئے، اتنی بڑی رقم؛ مسلمانوں سے میں پوچھنا چاہوں گا کہ اتنی بڑی رقم جاتی کہاں ہے۔ یعنی پندرہ کروڑ کی رقم ایک دن میں؛ اسوقت میں کہ رہا ہوں جب یہ مان کر چل رہا ہوں کہ صرف تین کروڑ مسلمان فطرہ نکالتا ہے، بارہ کروڑ میں سے پندرہ کروڑ روپے کا پتہ نہیں چلتا۔ اس کے دو ہی

مہینہ بعد عید الضحیٰ کے نام سے دوسرا تہوار ہمارے سامنے آتا ہے جسمیں قربانی کی کھالیں اور ان کے پیسے یقینی طور پر انہی یتیم خانوں کے سپرد کر دیئے جاتے ہیں یا غریبوں میں تقسیم کر دیئے جاتے ہیں، اگر ان کا Ratio نکالا جائے تو دس کروڑ کے قریب وہ رقم آتی ہے، تو اس دس کروڑ روپے کی رقم کا کہیں پتہ نہیں چلتا کہ اس کا کیا ہوا۔ لہٰذا جو قوم خود اپنے لیے راستہ تلاش نہیں کرتی وہ یقینی طور پر بربادی کی طرف جاتی ہے۔

اردو کے نام پر ہم بہت جذباتی ہو جاتے ہیں۔ جذبات کا ہونا بہت اچھی چیز ہے لیکن جذباتی ہونا کسی اعتبار سے میں سمجھتا ہوں کہ مناسب نہیں۔ آپ خود غور کیجئے کہ اردو کو آپ نے کس منزل پر پہنچا دیا۔ آپ نے کبھی بھی اردو کو کسی زمانے میں: میں یہ بات کہہ سکتا ہوں اسلیئے کہ جو لوگ شہروں میں رہ رہے ہیں، یا لکھنؤ کی فضا، علیگڑھ کی فضا، دلی کی فضا سے واقف ہیں ، ان کی بات چھوڑ دیجئے لیکن ان کے علاوہ اور بھی یہاں شہر ہیں جہاں کہ اردو کو کبھی اپنے ڈرائینگ روم سے نکال کر کے اپنے ذہن اور اپنی ڈیوڑھی اور اپنے زنان خانے میں داخل ہی نہیں ہونے دیا کبھی بھی یعنی وہاں جو وہاں کی لنگوئج تھی وہی بولی جاتی تھی۔ کہیں بھوجپوری بولی جاتی تھی کہیں اودھی بولی جاتی تھی، جو علاقائی زبانیں تھیں وہی عورتوں میں پوپلر تھیں، وہی مقبول تھیں۔ آپ کا عالم یہ تھا کہ آپ نے زیادہ سے زیادہ قرآن کریم پڑھنا تو سکھا دیا لیکن تحریر کی تعلیم نہیں دی کہ کہیں محبت کے خطوط لڑکیاں نہ لکھنے لگیں تو آپ کی صورتحال یہ تھی۔ آپ خود اپنے پیروں پر کلہاڑی مارتے چلے گئے، اور نتیجہ یہ ہے کہ ایک خوبصورت زبان کو — لائبریری میں سجانے کے لائق تو آپ نے بنا دیا لیکن معاف کیجئے گا اسے عوام تک نہیں پہنچنے دیا۔ اور جو زبان ماں تک نہیں پہنچی وہ بچوں تک نہیں پہنچتی۔ یہی وجہ ہے کہ آج اگر سروے کریں آپ تو پچیس سال کی عمر سے جو کم کے بچے ہیں ان میں یہ بھی خاص طور سے اس لیے عرض کر رہا ہوں کہ پچیس سال سے کم عمر کے جو بچے ہیں ان میں اردو جاننے والوں کی تعداد نہیں کے برابر ہے۔ لہٰذا آپ نے خود اس بات کو تسلیم کر لیا کہ اردو مردہ زبان ہو چکی یعنی زبان سنسکرت بھی زندہ ہے لیکن سنسکرت کو ہم مردہ زبان کہتے ہیں جبکہ دنیا کی Richest languages میں سے سنسکرت ایک زبان ہے۔ اور جو لٹریچر سنسکرت نے Produce کیا ہے، ظاہر ہے کہ وہ بہت ریچ لٹریچر ہے۔ لیکن وہ لائبریریز کا لٹریچر بن گیا ہے، عوام کا لٹریچر نہیں ہے۔ اور یہی چیز اردو کے ساتھ ہونے والی ہے۔

صبح بڑی اچھی تقریر کی گئی کہ صاحب اردو مسلمانوں کی زبان ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اردو کشی کا شاید اس سے بہتر طریقہ یعنی ممکن نہیں ہے کہ اردو مسلمانوں کی زبان ہے۔ مسلمانوں کی زبان یا کسی قوم کی زبان کو محدود کر دینا،

Marfat.com

بنگال میں بھی مسلمان ہیں۔ کیرالا، پنجاب، میں بھی مسلمان ہیں اور اُردو کہیں بھی مسلمانوں کی زبان نہیں ہے۔ ان کا اپنا ۔۔۔ کی تہذیب کی بات کی جاتی ہے اس حساب سے میں نے دیکھا کہ ہمارے زیادہ تر سربراہ، تمدن اور تہذیب اور کلچر کی بات کرتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس سے بڑا شاید کوئی زہر نہیں ہو سکتا۔ کہ مذہب کے ساتھ کلچر کو جوڑ دیا جائے۔ وجہ یہ ہے کہ کلچر کبھی بھی مذہب کا نہیں ہوا کرتا اور اگر ہوا کرتا ہوتا تو معاف کیجئے گا تمام دنیا کے مسلمانوں کا ایک کلچر ہوتا۔ لیکن اگر آپ سروے کریں تو دنیا کے تمام مسلمانوں کا ایک کلچر نہیں ہے؛ کالی کٹ اور بنگال کے مسلمانوں کا کلچر یقیناً یوپی کے مسلمانوں کے کلچر سے مختلف ہے اور جب آپ مسلمانوں کے کلچر کی بات کرتے ہیں تو چونکہ آپ حکومت کرتے رہے ہیں، لہذا آپ ہندستان کے کلچر کی مسلمانوں کے کلچر کی بات کرنے کے نام پر یوپی کے مسلمانوں کے کلچر کی بات مطلب اور تشریح وہ خود کر سکیں۔ لیکن آج صورت یہ ہوتی ہے کہ جو چیزیں ہم نے نہیں پڑھائی ہیں لڑکا ایگزامنیشن چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے اور کہتا ہے Out of course ہے۔ لہذا یہ دیکھنے کی بات ہے۔ ایک بات میں واضح طور پر کہنا چاہوں گا، اور اپنے تجربے کی بناء پر اس لیے کہ سید حامد صاحب اور وہ تمام لوگ جو فرسٹ کلاس میں سفر کرتے ہیں شاید ان کو اس کا مشاہدہ اور تجربہ نہ ہو اگر سیکنڈ کلاس میں سفر کریں اور ذرا سا اس دھکے اور بھیڑ کے ساتھ سفر کریں بغیر رزرویشن کے تو شاید کچھ تجربات سے گذریں۔ میں آپ کو بالکل یعنی وہ تجربہ بتانا چاہتا ہوں کہ آپ ایسا کیجئے کہ ایک سکنڈ کلاس کے ڈبے میں ایک صاحب کو وی سی آر کے ساتھ اور ایک ٹی وی کے ساتھ اور اس وی سی آر پر عرب کے یعنی عربی زبان میں کچھ لکھا ہوا ہو بالفرض ان کو بٹھا دیجئے، تجربہ کر لیجئے جب چاہئے، اور ایک ایسے بزرگ کو بٹھائیے جو بالکل بچارے کی سفید داڑھی ہے، گھٹنے تک والا پاجامہ ہے، جو گھٹنے سے ابھرا ہوا ہے۔ ایک لوٹا ہے جو ٹوٹی دار ہے، اور اس کے ساتھ ان کو بٹھا دیجئے، دونوں کو بٹھا دیجئے اس کے بعد ظہر کا وقت ہو عصر کا وقت ہو بزرگ سے کہئے میں نماز پڑھنا چاہتا ہوں، لوگوں سے کہئے، جیسے ہی وہ بزرگ فرمائیں گے میں نماز پڑھنا چاہتا ہوں، اڑوس پڑوس کے تمام ہندو نہ صرف یہ کہ ان کا احترام کریں گے بلکہ ان کے لیے جگہ بنائیں گے ان کو جگہ دیں گے اور ان کو نماز پڑھنے کا موقع بھی دیں گے، لیکن اگر گفتگو مسلسل سنتے رہیے تو پتہ چلے گا کہ اس وی سی آر والے کے لیے اگر موقع ملے تو پبلک اٹھا کر اس کا وی سی آر لے جائے گی گھر اور اسکو اٹھا کر گاڑی سے پھینک دیگی، کہے گی، کہ عرب کا مال لے کر کے۔ یہ بڑا کومن وہ ہو گیا ہے۔ لہذا ہندوؤں کو معاف کیجئے گا نہ آپ کی نماز سے شکایت ہے نہ آپ کے مسلمان ہونے سے شکایت ہے ان کو آپ کے اقتصادی مسائل کی شکایت ہے۔ وہ ایک Revival جو ہوا ہے ہندوؤں میں وہ یہ چاہتے ہیں کہ آپ Economically کسی طریقے سے مضبوط نہ ہونے پائیں۔

Marfat.com

ان کی قطعی طور پر یہ کوشش نہیں ہے کہ آپ نماز نہ پڑھیں آپ مسجدیں نہ بنوائیں۔ آپ اپنی آبادی نہ بڑھائیں یہ قطعی کوشش نہیں ہے۔ اور یہ کہ ایک ایفرٹ ہے یہی وجہ ہے کہ آپ سے میں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ رائٹ صرف ان شہروں میں ہی ہوتے ہیں جہاں آپ Economically خوشحال ہیں۔ یعنی جہاں آپ کی انڈسٹریز پنپ رہی ہیں، یا پنپنے کی کنڈیشنس میں ہیں۔ جہاں آپ Industrially developed نہیں ہیں وہاں کبھی رائٹ نہیں ہوتے۔ رائٹس مرادآباد میں ہو سکتے ہیں لیکن مرزاپور میں نہیں ہو سکتے۔ رائٹ بنارس تک میں ہو جائیں گے لیکن رائٹ ان شہروں میں نہیں ہوں گے جیسے کہ سلطان پور میں نہیں۔ یعنی ان شہروں میں مسلمانوں کی انڈسٹریز نہیں ہیں جہاں Economically مسلمان بہتر نہیں ہیں تو وہاں رائٹ کبھی نہیں ہو سکتے۔ لہذا میرا یہ کہنا ہے کہ کرتے ہیں ہم مسلمانوں کے کلچر کی بات آپ قطعی نہیں کرتے۔ ایک ذہنیت کو اور صاف کرنا ہوگا اور وہ ذہنیت مجھے تعجب ہے کہ ——— حامد صاحب کی کتاب میں بھی ہے اور وہ ذہنیت برعکس طریقے سے دوسری جگہوں پر ملتی ہے یعنی ہم سالار کارواں تھے اب ہم گرد کارواں ہو گئے۔ یہ طریقہ سوچنے کا قطعی طور پر غلط ہے، ہم کیا تھے اور کیا ہو گئے، یہ سوچنے کے طریقے ہیں جب ہم کیا تھے تو تاریخ کے ہمیں بہت سے حوالے اس جملے کے ساتھ آجاتے ہیں، ہم جب بھی کوما سے لکھا جائے گا تو ہم سے مراد وہ مسلمان ہوں گے جنہوں نے قیصر اور کسریٰ پر فتح حاصل کی وہ مسلمان ہوں گے تو تمام فتوحات اور خدا جانے کیا کیا چیزیں سب آتی چلی جائیں گی اور تاریخ اس ہم کے ساتھ جڑ جائے گی۔ اور اگر دیکھیں تو اس کے برعکس ایک عجیب چیز ملتی ہے کہ ایک Hindu thinking جو آج سے تقریباً سو سال سے رہی ہے کہ ہم ایک ہزار سال تک غلام رہے ہے۔ تو بالکل برعکس Thinking وہی ہے کہ ہم ایک ہزار سال تک غلام رہے ہیں، یہ کہتے ہیں کہ ہم ایک ہزار سال تک حاکم رہے ہیں۔ آپ کا مقصد کیا ہے؟ یعنی آپ دلوں کو جوڑنا چاہتے ہیں یا دلوں کو ایک دوسرے سے دور کرنا چاہتے ہیں؟ یہ بہت بنیادی مسئلہ ہے۔ دلوں کو جوڑنے کی ضرورت ہے، دور کرنے کی ضرورت نہیں۔ لہذا میرا یہ کہنا ہے کہ آپ ان پہلوؤں پر جب غور کریں گے تو پتہ یہ چلے گا کہ اپنے دشمن سب سے زیادہ، معاف کیجیے گا آپ ہیں اس لیے کہ میں علیگڑھ مسلم یونیورسٹی میں طالب علم نہیں رہا، میں نے ہمیشہ ہندو اداروں میں پڑھا ہے، اور ان ہندو اداروں میں پڑھا ہے جہاں مسلم طلبا کی تعداد دو یا تین سے زیادہ نہیں تھی۔ میں نے دیکھا ہے کہ جب بھی یونین کا الکشن ہوا میں یونین کا پریسیڈنٹ رہا۔ کہیں یہ مسئلہ نہیں آیا کہ ہندو اور مسلمان کا مسئلہ سامنے آتا اور مجھے ووٹ نہیں دیا جاتا۔ لیکن علیگڑھ میں ہندو مسلمان مسئلہ صرف سامنے نہیں آتا بلکہ شیعہ سنی مسئلہ بھی سامنے آتا ہے، یہ افسوس کی بات نہیں ہے؟ لہذا علیگڑھ ٹکڑے ٹکڑوں

Marfat.com

میں بٹا ہوا ہے' اور وہ علیگڑھ آج فخر کرتا ہے۔

علیگڑھ میں ایک بات سر سید نے بہت پہلے کہی تھی لیکن اسکو ختم کر دیا لوگوں نے کہا تھا کہ تعلیم کے ساتھ تربیت ضروری ہے' میں پوچھنا چاہوں گا اپنے دوست، سربراہوں سے جو یہاں موجود ہیں کہ تعلیم کے علاوہ تربیت پر یہاں کتنا زور دیا جا رہا ہے؟ تربیت نام کی تمام چیزوں کا فقدان تقریباً علیگڑھ میں ہو گیا ہے' اور یہاں تعلیم نہیں دی جاتی معاف کیجئے گا بلکہ کورسیز کمپلیٹ کرائے جاتے ہیں۔ اور کورسیز کمپلیٹ کرانا بالکل الگ چیز ہے اور ایجوکیشن یا To educate بالکل الگ چیز۔ لہذا ہم تعلیم کے نام پر صحیح معنوں میں اب قطعی طور پر تعلیم نہیں دیتے: اگر ہم تعلیم دیتے تو غالب کی ایک غزل پڑھائی جاتی' اور ہمارے طالب علم میں یہ صلاحیت ہوتی کہ جو غزلیں انھیں نہیں پڑھائی گئی ہیں اس کا بات دو پیمانے پر ہونی چاہیئے، ایک تو یہ کہ یہ بہت ضروری ہے کہ جو ہمارے یعنی غیر مسلم جو ہندستان میں ہمارے یہاں پائے جاتے ہیں ان کے ساتھ محبت کا ماحول ایک فضا بنائیں اپنے طور پر براہ راست ان سے کہیں طنزیہ انداز میں نہیں اتنی جرأت رکھیں کہ ان سے آنکھ میں آنکھ ملا کر گفتگو کر سکیں۔ اور اگر میں سید حامد صاحب کی بات کو سمجھ پایا، تو میں یہ کہنا چاہوں گا، ایک لفظ میں کہنا چاہوں گا کہ سید حامد صاحب نے کم از کم ایک پیغام دیا ہے اور میں اس پر لبیک کہتا ہوں کہ مسلمانوں میں Masculine character ڈولپ کرنے کی ضرورت ہے یعنی اگر سیکو ٹوٹل کہا جائے تو وہ ٹوٹل یہی بنتا ہے کہ میسکولین کیرکٹر ڈولپ کرنے کی ضرورت ہے اور وہ تین باتیں جن کی صبح سید حامد صاحب نے تشریح کی تھی' پہلی دوسری اور تیسری کر کے کہ صاحب وہ اپنے مذہب پر قائم رہیں' اور دوسروں کے مقابلہ میں محنت زیادہ کریں' اور اکثریت کے ساتھ بہتر تعلقات' مجھے لگا کہ انھوں نے اقبال کے اس شعر کی ترجمانی کر دی ہے

یقیں محکم، عمل پیہم' محبت فاتحِ عالم

ان تین الفاظ کو تین طریقے سے ڈھال دیا گیا، یقین محکم یہ ہے کہ اپنے مذہب پر قائم رہیں اور عمل پیہم یہ ہے کہ دوسروں سے بہتر کام کرنے کی کوشش کریں' اور محبت فاتح عالم یہ ہے کہ آپ اکثریت سے بہتر سے بہتر تعلقات قائم رکھیں' اور

جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

تو اگر یہ شمشیر واقعی وہ مسلمانوں کو دینا چاہتے ہیں تو مبارکباد کے مستحق ہیں

ڈاکٹر ضمیر الدین

مسلمانوں کے مسائل پیچیدہ اور زیادہ سے زیادہ گمبھیر ہوتے جاتے ہیں اسکی وجہ بیشتر نفسیاتی ہیں جو مہلک

Marfat.com

مرض مسلمانوں میں تعطل اور جنون پیدا کر رہا ہے وہ قنوطیت اور اسکی مایوس شکست خوردہ ذہنیت اور مستقبل سے نا امیدی ہے۔ مسلم یونیورسٹی نے ابھی حالیہ ایکزیکیوٹیو کاؤنسل میں ایک بہت ہی اہم اور مؤثر قدم اٹھایا ہے۔ وہ سنٹر جو قائم ہونے کی تجویز آئی ہے مسلمانوں کے مسائل کیلئے مؤثر ثابت ہو گا جیسے کہ سرسید نے اپنے زمانے میں مسلمانوں کے ان تمام تر مسائل کا ایک حل سوچا تھا اور وہ تھا تعلیم کی ترویج و ترقی۔ لہٰذا اس قسم کا ایک سنٹر اور ہمارے ایکٹ میں انسٹرکشن 5 2c ہے اس کے ذریعہ جو کلچرل اور ایجوکیشنل Advancement کے جو تدابیر ہو سکتے ہیں وہ اس سنٹر اور تجاویز کے اندر موجود ہیں۔

ڈاکٹر عبدالغفار شکیل

بڑی لمبی چوڑی بات کہنے کا موقع نہیں ہے مختصر بات میں یہ کہنا چاہوں گا کہ لسانیات میں ایک اصطلاح آتی ہے کہ Dead language کی۔ تو Dead language کا مطلب یہ ہے کہ جو زبان بالکل ختم ہو گئی۔ ہمیں اس موجودہ دور میں اسرائیلی عزم کی ضرورت ہے جنہوں نے Dead language کو نئے سرے سے پھر زندہ کر دیا۔ اب ہمارے جو ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل ہیں جو ہمارے ملکی مسائل بھی ہیں اور مسلمان قوم کے مسائل بھی ہیں، تو اس کے سلسلے میں مسائل کا ذکر بار بار ہو رہا ہے۔ لیکن مثبت اور تعمیری قسم کے حل کی طرف کسی نے اشارہ نہیں کیا۔ میں صرف ایک بات کی طرف اشارہ کروں گا اور اس طرح کی کوشش کی گئی ساؤتھ انڈیا میں اور وہاں بھی کرناٹک میں جو اس طرح کی کوشش مسلمانوں کے مسائل کے حل کے سلسلے میں کی گئی، اسی طرف اشارہ کروں گا وہ ایک ہی بات ہے یہاں۔

الامین کالج کے نام سے ایک چھوٹا سا کالج قائم کیا گیا ——————— اور اب صورتحال یہ ہے کہ اس الامین کالج کے منتظمین نے اب الامین میڈیکل کالج اور پھر الامین میڈیکل ہاسپٹل اور بہت سے انھوں نے ادارے چھوٹے چھوٹے پھیلا دیئے ہیں کہ ایک زبردست تحریک کی شکل وہ اختیار کرتی جا رہی ہے۔ اس کو ہم سامنے رکھیں اور ہمارے مسائل جو اس وقت یہاں کے ہیں، ملکی پیمانے پر بھی اس کو دو حصوں میں بانٹ دینے دیں جیسا اشارہ کیا گیا مائکرو لیول پر اور میکرو لیول پر اور پھر اسطرح سے ان جگہوں کو ان مثالوں کو جو مہاراشٹر کی بھی، حیدر آباد، آندھرا پردیش کی بھی اور کرناٹک کی بھی، جہاں مسلمانوں نے اپنے مسائل کو حل کیا۔

ڈاکٹر فرخ جلالی

یونیورسٹی گرانٹس کمیشن جو ہے وہ ہماری تعلیمی پستی کا بہت بڑا ذمہ دار ہے۔ وہ یونیورسٹیوں کو کالجوں

کے سر پر چلا رہا ہے۔ اور مسلمانوں میں بہت آپ دیکھئے کہ جیسا کہ کسی صاحب نے فرمایا کہ اس کے مقابلے میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تعلیمی ترقی کافی ہوئی ہے کم از کم اتر پردیش میں اور یہ جو مسلمانوں کی عام غلطی ہے کہ خود وہ حکومت کی دین ہے، وہاں کبھی بھی دس فیصدی یا بیس فیصدی سے زیادہ ہندستانی مسلمانوں کی اعلیٰ ملازمتوں میں کوئی حصہ نہیں ملا۔ اس لیے مفاہمت کی جو بات ہے وہ یہ کہ آج بھی جمعہ کی نماز میں سلطان عالی کے لیے دعا کی جاتی ہے تو وہ یا تو صدر مملکت کے لیے ہے یا وزیر اعظم کے لیے۔

ڈاکٹر انور محمود

ہم لوگ مسلم یونیورسٹی سے تو تعلیم حاصل کر چکے ہیں لیکن جتنے لکچررس وغیرہ ہیں لکچررس لکچررس میں جو Clash ہوتا ہے۔ جو جونپوری کا رہا تو وہ جونپوری کو کھینچتا ہے، حیدر آباد کا رہا تو حیدر آبادی کو کھینچتا ہے کوئی لکھنؤ والا ہے تو لکھنوی کو کھینچتا ہے۔ یہ سارے پرابلمس کے سبب اسٹوڈنٹ میں ایک Mental tension آتا ہے۔ اسٹوڈنٹ یہاں پر پڑھ ہی نہیں سکتا، یہ پروبلم میں نے Face کیا جب اس یونیورسٹی میں میں تھا

This university is the Minorities Institution اور

اور اس لیے آپ لوگ سویرے ہی سے جو بیٹھے ہیں کہ مسلمانوں کی مدد کی جائے تو مسلمان اسٹوڈنٹس واقعی جو ویک ہیں اور جن کا تعلیمی بیک گراونڈ اچھا نہیں ہے، تو ان کے لیے کچھ Special پریفرنس دینا ضروری ہے۔

And this university is an Institution with special preference to Muslims.

تو یہاں پر چونکہ وہاں Minority character ہے۔ اس لیے

We can give admission to the maximum numbers of Muslims, maximum percentage of Muslims.

جب میں یہاں رہا تو اپنے کلاس میں بخدا میں کسی ہندو کا کبھی مخالف نہیں ہوں۔ مگر میرے پاس پرسنیج میں میرے ڈیپارٹمنٹ میں جو پرسنٹیج We can say forty-sixty اور almost it was fifty-fifty اگر اس طرح اس یونیورسٹی میں بھی کیا جائے تو ہم کیسے developed ہو گئے۔ آپ لوگوں میں سے کون دے گا مسلمانوں کو چانس کہ وہ پڑھے۔ چونکہ ان کو تو بہر حال دوسری یونیورسٹی میں ایڈمیشن مل نہیں سکتا یہ کمپیٹیشن میں بیٹھ نہیں سکتے۔ اسلئے کہ یہ کمزور ہیں۔

Marfat.com

ڈاکٹر ناظم علی

جو بنیادی مسئلہ ہے اور جس کی وجہ کر بہت ساری پروبلمس ہو رہی ہیں وہ ایجوکیشن بیکورڈنیس کا مسئلہ ہے مسلمانوں کے لیے۔ اس پروبلم کا Solution میری نظر میں تین فرنٹ پر ہے، ایک تو یہ کہ ہم کو بذات خود کیا کرنا ہے اس پروبلم کو Solve کرنے کے لیے۔ دوسرا یہ کہ ہم کو گورنمنٹ سے کیا کروانا ہے اس کے لیے اور ہم کو گورنمنٹ سے کیا مطالبات ہونے ہیں۔ اور تیسرا یہ کہ میجورٹی کمیونیٹی سے ہم کیا مطالبات کریں کہ وہ ہمارے ساتھ بھائی چارگی کا اور برابری کا برتاؤ کریں۔ تو دراصل ہیں دو پوائنٹ پر اپنے خیالات کا اظہار کروں گا۔

جہاں تک پہلے مسئلے کا سوال ہے کہ ہم کو کیا کرنا ہے، تو میری اپنی Hypothesis یہ ہے کہ ہم جو مسلمانوں کی ملک کی ایجوکیشن بیکورڈنیس کو دور کرنے کی بات کر رہے ہیں، ہماری یونیورسٹی میں خود Academic degeneration ہو رہا ہے تو ہم کیا پورے ملک کے لیول پر ہم یہاں بیٹھ کر جیسا کہ ہمارے محترم وائس چانسلر صاحب وقتاً فوقتاً فرماتے رہے ہیں کہ یہ مسلمانوں کا سب سے بڑا دانشوروں کا ادارہ ہے' شاید ایک جگہ اتنے سارے مسلمان دانشور ملک کے کسی بھی شہر میں اکٹھا نہیں ہیں، وہاں پر جب یہ حالت ہے کہ اکیڈمک ہو رہا ہے، اور سنیر حضرات جو نیا طبقہ ہے جو نئے لوگ ہیں ان کو Mass level پر Discourage کر رہے ہیں یہاں پر، آپ اس کے لیے کوئی بھی Confidential قسم کا Document سرکولیٹ کر کے آپ اسکی Statistics جمع کر سکتے ہیں، اور آپ یہاں پر کر سکتے ہیں کہ کس قسم کا یہاں پر Exploitation ہو رہا ہے، نئے لوگوں کے لیے اور نوجوانوں کے لیے، چاہے وہ اسٹوڈنٹس لیول پر ہو چاہے وہ ریسرچ اسکالرس ہوں یا ٹیچرس ہوں۔

دوسرا پوائنٹ یہ ہے کہ گورنمنٹ سے جہاں تک جو ہم کو مطالبات کرنے ہیں تو ایک مطالبہ تو جو میں سمجھتا ہوں ہم کر سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ وہ سکینہ کمیٹی کی رپورٹ جو ہے وہ ہمارے سامنے ہے جو Muslim dominated ایریاز ہیں، وہاں پر یہ واضح ہے رپورٹ کے اندر کہ وہاں پر پولیس اسٹیشن زیادہ ہیں۔ اور جہاں پر Hindu dominated areas ہیں وہاں اسکول زیادہ ہیں۔
تو ہم گورنمنٹ سے یہ مطالبہ کریں کہ مسلم ڈومینیٹیڈ ایریاز کے اندر ان پولیس چوکیوں کے بجائے، یعنی پولیس اسٹیشن کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے لیے اسکولس کا بھی قیام ہونا چاہیے۔ جسکو ہم کسی طریقے سے بھی Exploit

Marfat.com

کریں اور اسکو قائم کرانے کے لیے کوشش کریں۔

ڈاکٹر قطب الرحمٰن

یہاں چار سال پہلے اسٹوڈنٹس یونین کا لیڈر تھا لیکن آج انجینئرنگ کا اسٹوڈنٹ ہوں اس لیے انجینئرنگ کے پوائنٹ آف ویو سے پوائنٹ پر بات کریں گے۔

میں بیدار صاحب کو اپنی جگہ لے جاتا ہوں خدا بخش لائبریری اور بہار کے پروبلم پر۔ جگناتھ مشرا وہاں کے چیف منسٹر ہوئے، انھوں نے مسلمانوں کے دو پروبلم کو حل کیا جو ہم سمجھتے ہیں کہ گورنمنٹ سے ہم کو یہ ڈیمانڈ ہے اور وہ ڈیمانڈ ہے۔ انھوں نے اردو کو سکنڈ لنگویج وہاں بنایا۔ اور دینی تعلیم گورنمنٹ کے پیسے سے یعنی مدارس کو Recognize کیا۔ یہ دو چیز وہاں چل رہا ہے جو جناب بیدار صاحب کو پتہ ہی ہوگا۔ اب وہاں کی حالت سنئیے، میں دو مہینہ کی چھٹی میں گھر گیا ہوا تھا تو پٹنہ بھی گیا وہاں شمائل نبی صاحب جو منسٹر تھے پہلے انکو اردو کا انچارج بنا دیا گیا وہاں بہار کا۔ اب ہر بلاک میں ہر سب ڈویژن میں ٹرانسلیٹر اردو رکھا گیا، لیکن وہاں کے مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ ایک بھی اردو میں ایپلیکیشن دیتا ہی نہیں ہے تو نتیجہ یہ ہے کہ وہ ٹرانسلیٹر کام کیا کرے گا تو وہ ہندی کا کام اور ٹائپ کا کام؛ اب جیسا کہ پروفیسر نفیس صاحب نے کہا کہ سمینار کی ضرورت ہے سب سے پہلے بہار میں ضرورت ہے، جہاں کہ مسلمانوں کے پروبلم کو دیکھا گیا اور اردو کو سکنڈ لنگویج دیا گیا، ہندستان میں جو ہم ڈیمانڈ کرتے ہیں کہ اردو ہماری زبان ہونی چاہئیے ہماری تہذیب ہونی چاہئیے تو پہلے امپلیمنٹ ہم بہار میں کریں۔ اگر وہاں ہم کو گورنمنٹ دے رہی ہے یہ Facility تو ہم بہار میں سمینار کریں۔ ڈسٹرکٹ میں، سب ڈویژن میں، گاؤں میں میٹنگ کریں اور مسلمانوں کو بیدار کریں۔ تاکہ وہاں اُردو میں Application آئے، اردو کا ڈیمانڈ بڑھے۔ ٹرانسلیشن .... پر جو مسلمانوں کو نوکری ملی ہے، ہر سب ڈویژن میں ہر بلاک میں Appointment ہو اور مسلمانوں کا اکانومک پروبلم دور ہو،

دوسرا پوائنٹ یہ ہے کہ مدرسہ بورڈ؛ مدرسہ بورڈ وہاں قائم کیا گیا، باضابطہ چیئرمین appoint ہوئے، ان کو کیبنیٹ رینک کی گاڑی ملی، ان کو کوارٹر ملا، ساری Facility ملی۔ اتفاق سے ایک بار میں مدرسہ بورڈ گیا، وہاں کی حالت یہ دیکھی کہ وہاں بازار سا ہے، مطلب یہ کہ وہاں کے مسلمانوں کی تعلیم جو پہلے ہو رہی تھی وہ ختم ہو رہی ہے، یعنی کہ بورڈ میں بیٹھے بیٹھے سارا کام ہوتا ہے، گاؤں میں سنٹر رکھ دیا جاتا ہے، وہاں پر جو لوکل کالیجیز ہیں اَفلیٹیڈ کالج وہ اپروچ کرتے ہیں وہاں کے لکچرر کہ ان کو اِنوِزیلیٹر بنا دیا جائے۔ وہاں کتاب کھول کر چوری کی جاتی ہے، یہاں تک کہ لوگوں نے کہا کہ کچھ دنوں کے بعد بہار میں یہ عالم ہو جائے گا کہ جنازہ کی نماز پڑھانے والا ایک بھی

نہیں رہ جائے گا۔ کیوں پڑھے، کیوں محنت کرے۔ یہاں تو دیوبند ہے ندوہ ہے مگر بہار میں جو مدارس دن رات کوشش کر رہے تھے، پڑھائی کر رہے تھے، ان لوگوں نے بھی یہ چھوڑ دیا کہ چوری چلتی ہے، اب کیا ہوا نتیجہ اس کا، اسکول میں جو مسلمان تعلیم حاصل کر رہے تھے، وہ مدارس میں اپنا امتحان دیتے ہیں، ان کو ڈگری مل جاتی ہے، وہ ٹیچرس ٹریننگ میں چلے جاتے ہیں، نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا معیار تو گر رہا ہے مگر ہمکو نوکری تو مل رہی ہے ڈگری مل رہی ہے۔

حامد صاحب نے سویرے کہا تھا کہ اخباروں میں جب کوئی آتا ہے تو جواب نہیں آتا ہے صرف ایک نیوز جاتا ہے۔ تو علیگڑھ کا تو جو عالم ہو رہا ہے، دیکھئے دس پانچ سال کے بعد کیا حال ہوتا ہے، یہ الگ بات ہے۔ ہر جگہ مسلمانوں کا معیار گر رہا ہے، آپ تو خدا بخش میں ہیں وہاں کیا حالت ہے، پٹنہ کی، بہار کی اسکو آپ دیکھئے، چیرمین صاحب کا عالم یہ ہے کہ وہاں جو پروفیسر صاحبان جمع ہوتے ہیں کہ ہم کو کیجئے ٹیچرس کی بحالی میں۔ تو وہاں جاتے ہیں ان پڑھ، جن کو کچھ نہیں آتا ہے، دس دس ہزار بیس ہزار لے کر ان کو بحال کرتے ہیں مدارس میں کیونکہ اسکیل ان کا ہو گیا ہے ٹیچرس کا اسکیل، لیکچررس کا اسکیل وہاں مل رہا ہے مدارس میں۔ تو وہ ایک یونیورسٹی ہو گئی ہے، میں معمولی اسٹوڈنٹ ہی تھا، لیکن دلی میں، شہاب الدین صاحب سے، بنات والا صاحب سے، سلیمان سیٹھ صاحب سے، سید حامد صاحب سے گھنٹوں Discussion ہوتا رہا ہے۔ ہم صرف انہی لوگوں سے صرف یہی کہنا چاہیں گے، کہ علیگڑھ سے ٹیم لے جائیں بہار میں، اور بہار میں ایک طرف تو سبحانی صاحب ٹوپ کر رہے ہیں آئی اے ایس میں، علیگڑھ میں بھی دو ایک کلاس میں ٹوپ کیا ہے، ایسی بات نہیں ہے کہ بہار میں لوگ نہیں پڑھ رہے ہیں، اور اس سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ بہار میں تو چوری چلتی ہیں، اس سے یہ ہو جاتا ہے، یہاں علیگڑھ میں کہا جاتا ہے کہ بہاری لوگ سب بے کار ہوتے ہیں۔ تو جب Agitation چل رہا تھا سید حامد صاحب کے ٹائم میں تو ہم لوگ کھل کر آتے تھے، لیکن یہ کہا کہ بہاری سب Agitation کر رہا ہے، نہیں۔ اس پر Action ہونا چاہیئے۔

وائس چانسلر سید ہاشم علی

چند گھنٹے سے بہت سی باتیں کہی گئی ہیں۔ ہم نے ایسے مسائل کو ایک جگہ جمع تو کر دیا —— لیکن ان کے Solution کے بارے میں ہم لوگ کچھ زیادہ فکرمند نہیں ہیں بعض صورتوں میں۔ میں دو، تین بات کروں گا۔ ایک تو آج کل علیگڑھ کیمپس میں جو چیزیں لڑکوں کو Agitate کر رہی اور لڑکے اور اساتذہ صاحبان بھی اس کے بارے میں بات کر رہے ہیں کہ علیگڑھ میں مسلم مائنورٹی کیریکٹر کی یونیورسٹی ہونے کی وجہ سے زیادہ تعداد میں مسلمانوں کو لیا جائے، یہ مسئلہ صرف تین کورسیز کا ہے، میڈیکل انجینئرنگ اور کمپیوٹر، اس میں موجودہ Percentage جو ہے اس سے بڑھا کر اگر ۷۵ فیصد کا ریزرویشن

Marfat.com

کر بھی دیا جائے تو زیادہ سے زیادہ سو لڑکوں کا فائدہ ہوگا۔ ان پر غور کیا جائے۔ اور کوشش کی جائے کہ اس میں ایک سنٹر کا قیام ہے کہ جس میں ایسی اسٹڈیز ہوگی جو مسلمانوں کے پروبلمس کے بارے میں ریسرچ کریں گی اور وہ مواد فراہم کرے گی ریسرچ فراہم کرے گی اور ایک ہی پوائنٹ جہاں کوئی University نہیں تھا وہ یہ تھا کہ اگر علی گڑھ میں مسلمان لڑکوں کی تعداد میں اضافہ کرنا ہے تو اس کا کیا طریقہ ہوسکتا ہے، ریزرویشن ہونا چاہیئے یا یہ کہ ان کو کوئی Weightag دیا جائے کوئی اور ترکیب۔ تو اس کے بہت سے مسئلے ہیں، اسلیے محض یونیورسٹی کے وائس چانسلر کے ہاتھ میں ہی نہیں ہوتا، یہ ایسے مسائل ہیں کہ جو میڈیکل کاؤنسل آف انڈیا، یا ٹیکنیکل ایجوکیشن کی جو کاؤنسل ہے اسکے کنکرنس سے ہونی پڑتی ہے یہ جوشیلے اور جذبات کا مسئلہ نہیں ہے کہ ایک منٹ کے اندر وائس چانسلر نے کر دیا۔ اس کے لیے باقاعدہ Legal advice لی گئی ہے۔ میں نے تین بڑے Legal advisaries سے ایڈوائس طلب کی۔ جسٹس انصاری چیف جسٹس مدراس، ہائی کورٹ اور اٹارنی جنرل آف انڈیا، ایک رائے آئی ہے کہ شاید ریزرویشن نہیں ہوسکتا، لیکن Weightage کے بارے میں کوئی ترکیب کی جاسکتی ہے، تو ہم غور کر رہے ہیں۔ اور علیگڑھ یونیورسٹی کا وائس چانسلر، چاہے وہ چاہے یا نہ چاہے، مسلمانوں کا لیڈر بن جاتا ہے؛ اور یہ سمجھنا غلط ہے کہ علیگڑھ کا جو وائس چانسلر ہوتا ہے اسکو مسلمانوں سے کوئی ہمدردی نہیں ہوتی۔ اس کی بہت بڑی ذمہ داری ہے اس کو دوراندیشی، عقلمندی اور سمجھداری سے کام کرنا پڑتا ہے؛ اور ظاہر ہے کہ جو بھی علیگڑھ کا وائس چانسلر آئے، چاہے وہ ابتدائی آدمی ہو یا آخری آدمی ہو، ہر ایک کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اس کے دور میں علیگڑھ میں مسلمانوں کو کچھ فائدہ ہو، تو یہ سوچنا کہ علیگڑھ کا وائس چانسلر ان معاملات میں دلچسپی نہیں لیتا، بالکل غلط طرح کی Thinking ہے، اور جیسے بعض دفعہ مسلمان لوگ غلط طریقے سے سوچتے ہیں، یہ بھی غلط طرح کی Thinking ہے بعض دفعہ ٹیچرس کو بھی میں نے دیکھا ہے اور لڑکوں کو بھی میں نے دیکھا ہے کہ وہ فرض کر لیتے ہیں کہ وائس چانسلر جو ہے ان کا بہی خواہ نہیں ہے۔

ایک دو اور Comments رہیں گے کہ ایسی محفلوں میں جہاں دوسرے مذہب کے سیکولر لوگ آپ کے ہمدرد لوگ بھی موجود ہوں تو ہمارے مسئلے کے پیش کرنے کا انداز اور اس کے Solution پیش کرنے کا انداز ایسا ہونا چاہیئے کہ جو اپنا دوست ہے وہ دشمن نہ بن جائے۔ جو شخص ہماری محبت میں آکر یہاں بیٹھا ہے وہ ہمارا مخالف نہ ہو جائے، میں نے دیکھا ہے کہ ہم میں سے بعض اسقدر جذباتی انداز بیان ہوتا ہے ابھی پانچ چھ مہینہ پہلے اردو اکیڈمی دلی میں ایک جلسہ ہوا، اردو کا میں سمجھتا ہوں اس دور کا سب سے بڑا محسن، اندر کمار گجرال ہے، انھوں نے کوئی بات کہی، اور ایک صاحب ایسے زور سے ان سے الجھے کہ وہ بیچارے ہکا بکا ہو کر رہ گئے۔ وہ چاہتے تھے کہ کچھ سمجھداری کی بات کریں، اور ہمارے صاحب اتنے جوش میں آگئے کہ بجائے اسکے کہ اندر کمار گجرال جن کے اردو

Marfat.com

رپورٹ کے سلسلے میں ہم کو آپ کو مشکور ہونا چاہیئے وہ بیچارا پریشان ہو کر رہ گیا۔ تو میں یہ عرض کروں گا کہ آپ جب بات کرتے ہیں اور جب آپ کہتے ہیں کہ ہم کو میجوریٹی کمیونیٹی کے سیکولر لوگوں سے دوستی کرنی چاہیئے ان کے ساتھ مل کر کام کرنا چاہیئے تو میں آپ سے عرض کروں گا کہ اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ ہندستان میں اپنی کوئی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنا سکتا ہے تو غلط ہے، ہم کو روز دن رات سابقہ ہوتا ہے۔ اور میں تو ایسے لوگوں سے کہتا ہوں کہ آپ جب یہاں سے باہر جائیں گے تو ساری عمر ہندو عہدیداروں کے ماتحت رہیں گے۔ ہندو کلیگ کے ساتھ کام کرنا پڑے گا جب تک اس بات کو ہم سمجھ نہ لیں اور جبتک اس بارے میں ہم ایسا رویہ اختیار نہ کریں کہ جو سمجھداری کا آبجکٹو یٹی کا جو جذبات کو شامل کیے بغیر سوچنے اور بولنے کا طریقہ نہ ہو، ہم لوگ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اور یہ کہنا مشکل ہے، اسلیے کہ اسکو بھی غلط سمجھا جا سکتا ہے، لیکن میں یہ کہوں گا کہ اس بارے میں ان کو غور کرنا چاہیئے۔

حامد صاحب آج جو صبح میں اُردو مسلمانوں کی زبان کے بارے میں کہا، مجھے اس سے اختلاف ہے، میں آپ کو گاندھی جی کا Version سناتا ہوں انھوں نے کہا تھا کہ ہندی ہندستان کی عام بول چال کی زبان ہے جسے شمال ہند اور جنوبی ہند میں بولا جاتا ہے، ہندو اور مسلمان اسے بولتے ہیں اس میں مختلف زبانوں کے، مثلاً عربی، فارسی اور عربی کے الفاظ شامل ہیں، اور جب وہ فارسی رسم الخط میں لکھی جاتی ہے تو اردو کہلاتی ہے۔ تو مطلب یہ کہ نہ ہم کو فارسی عربی الفاظ سے اعتراض تھا نہ کسی اور سے دشمنی' اردو والے کو خواہ مخواہ ہندی کے خلاف بولنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہندی اردو کی ماں ہے اور فارسی اُردو کا باپ ہے۔ باپ اپنا کام کر کے چلا گیا اور ماں ہمیں بھگت رہی ہے اگر اردو میں سے آپ ہندی کے الفاظ نکال دیں اگر میں آپ سے کہوں کہ آپ کہاں سے آئے ہیں آیئے تشریف رکھئے اگر اس میں سے ہندی کے الفاظ نکال دیے جائیں تو تشریف لٹکا رہ جائیگا، آپ جملہ نہیں بنا سکتے۔ تو یہ ہم کو کہنا چاہیئے کہ ایک زمانے میں تاریخی جبر کی وجہ سے ہندوؤں کی زبان مسلمانوں کے رسم خط میں لکھی گئی اور وہ اردو کہلائی۔ تو آگے بھی وہی زبان ہندستان کی عام زبان ہے گاندھی جی کے ڈیفینیشن کو الٹا دونگا میں کہوں گا کہ اردو ہندستان کی عام زبان ہے، اور جب وہ دیوناگری رسم الخط میں لکھی جاتی ہے تو لوک ہندی کہلاتی ہے۔ تو ہم کو فری بولنے کی کوشش کرنی چاہیئے، میں نے کسی مسلمان کی زبان سے یہ نہیں سنا کہ ہندوؤں کی زبان کو میں نے اپنے رسم الخط میں لکھ لیا ہے، اور اس میں تھوڑے سے فارسی کے الفاظ شامل کر دیے تو لہذا اردو ہو گئی۔ ہندستان کی ہر زبان میں فارسی الفاظ ہیں ہندی، مگدھی، کنڑ، ملیالم زبان میں تیلگو میں مراٹھی میں، بنگلہ میں کسی کو اعتراض نہیں۔ لیکن ہماری شدت کی وجہ سے ہندی والوں کو اعتراض ہو گیا اور انھوں نے اسکو شدھ بنانے کی کوشش کی۔ لیکن چالیس سال کی کوشش کے بعد آج تک وہ شدھ زبان نہیں ہے، اور نہ ہو سکتی ہے۔ اور اس وقت ہندستان

کا ہر آدمی آپ دیکھئے ریل کا ایکسیڈنٹ ہوتا ہے اس کے بعد ٹی. وی پر انٹرویوز لیے جاتے ہیں وہ سب فارسی آمیز ہندی بولتے ہیں تو اس بات کو ہم کو سمجھنا چاہیئے کہ ہندی اور فارسی کے امتزاج سے اردو بنی ہے۔ اور ہندی اس کا Base ہے، ہندی ماں ہے اور فارسی اس کا باپ ہے۔ بات مختصر تھی، معاف کیجئے۔ اس بات پر اگر ہم کہنے لگے، ہندی کو، کمیونیٹی کی بات کریں گے تو پھر آپ کی اوریجنلٹی باقی نہیں رہے گی میرا اکثر ایک جوک ہوتا تھا کہ ہوائی جہاز پر سفر کرتے، بازو والے سے بات کرنے لگتا، اور تھوڑی دیر کے بعد ان سے کہتا کہ صاحب بڑی اچھی آپ اردو بولتے ہیں، وہ کہتے حاشا و کلا مجھے اردو نہیں آتی ہے۔ تو میں اس سے کہتا کہ میں نے سیدھے ہاتھ میں فارسی کے الفاظ گنے تو آپ سترہ فارسی کے الفاظ بولے، بائیں ہاتھ پر عربی کے الفاظ گنے تو تیرہ عربی کے الفاظ تھے، تو پھر وہ ہنسنے لگتا، کہتا کہ صرف رسم الخط کا فرق ہے۔

ہم کو ان differences کو دور کرنا چاہیئے، تو اردو کبھی بھی مسلمانوں کی زبان نہیں ہے، ہندی Base ہے، ہندوؤں کی زبان جب مسلمانوں کے رسم الخط میں لکھی گئی تو وہ اردو کہلائی، اور اس کے نام بدلتے رہے، فورم بدلتا رہا، رسم الخط بدلتا رہا، کچھ دن کے بعد غالب کی اردو سمجھ میں نہیں آئے گی جس طرح کبیر کی زبان آج سمجھ میں نہیں آتی ہے، ہماری دکنی زبان میں قلی قطب شاہ کا دیوان آپ کو سمجھ میں نہیں آئے گا، فورم بدلتا رہا، کیونکہ سرکاری زبان کا اثر ہر زبان پر ہوتا ہے، اور وہ زمانے کا اثر اب بھی ہو رہا ہے۔ ایک بات یہ ہوگئی۔

اور دوسری یہ کہ مسلم پروبلمس کو Solve کرنے کے لیے، میں سمجھتا ہوں کہ سب سے زیادہ کام ہم کو کرنا ہے، اور جب تک ہم لوگ متحد نہ ہوں، ہم لوگوں میں Organised Thinking نہ ہو، ہم لوگوں میں مل جل کر کام کرنے کی صلاحیت نہ ہو، ہم کو کسی اور سے شکایت کرنا فضول ہے بے کار ہے اس لیے کہ جب تک ہم محنت نہیں کرینگے، اور جب تک ہم میں مل کر کام کرنے کی صلاحیت نہیں ہوگی، ہم ترقی نہیں کر سکتے اور بدقسمتی یہی ہے کہ جہاں دو مسلمان ہوتے ہیں وہاں تین پارٹیاں ہوتی ہیں۔ ہم کبھی مل کر کام نہیں کر سکتے۔ میں نے حیدرآباد کے بہت سے ادارے دیکھے، کہ شروع ہوتے ہیں بڑی نیک نیتی سے، اور اس کے بعد اتنی سخت دشواریاں ہوتی ہیں کہ وہ ادارہ چل نہیں سکتا، اور علیگڑھ میں آپ دیکھئے سوئے فساد کے اور کیا ہے، یعنی باتیں تو ہم لوگ بہت کر لیتے ہیں لیکن جب اپنی بات ہوتی ہے تو اس وقت ہم کیا کرتے ہیں؛ اپنے صدر ادارہ کے ساتھ ہم کیا کرتے ہیں اپنے کلیگ کے ساتھ کیا کرتے ہیں، میں نے چغلی ہی چغلی دیکھی ہے کسی کی تعریف نہیں سنی ہے۔ میرے پاس جب کوئی شخص آتا ہے تو کسی کی شکایت ہی کرتا ہے، میں نے تعریف کرتے ہوئے نہیں سنا تو جب علی گڑھ میں یہ حال ہے جو انٹلکچولس کا صدر مقام ہے، تو

Marfat.com

اور دوسرے لوگوں سے کیا امید رکھیں، آپ علیگڑھ کو سدھاریئے علیگڑھ میں اتحاد پیدا کیجئے۔ علی گڑھ میں کام کا لگن جگائیے، علیگڑھ میں Dedication لے کے آیئے اور تب دوسروں کی بات کیجئے۔ مجھے افسوس ہے کہ علیگڑھ میں یہ سب چیزیں بہت کم پائی جاتی ہیں۔ تو میں درخواست کروں گا علیگڑھ کے Intellectuals سے کہ علیگڑھ کی یونیورسٹی آپ لوگ ہیں، وائس چانسلر نہیں ہیں۔ وہ پانچ سال کے لیے آتا ہے اس کا کام صرف یہ ہے کہ آپ کی صلاحیتوں کا صحیح طور پر وہ استعمال کرے۔ آپ میں سے جو لوگ کام کرنا چاہیں ان کو پورے موقع دے اور آپ میں سے جو لوگ ایمانداری سے اور محنت سے کام کرنا چاہتے ہیں ان کی وہ ہمت افزائی کرے۔ لیکن کیا ہوتا ہے آپ کا سارا فاضل وقت علیگڑھ کے ایڈمنسٹریشن کے، علیگڑھ کے وائس چانسلر کے علیگڑھ کے سابق وائس چانسلر کے بارے میں گالی گلوج اور فضولیات کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اگر یہ آپ کا معیار ہے تو آپ کیوں Expect کرتے ہیں کہ وہ غریب مسلمان جس نے چھوٹے سے مدرسے میں دینی تعلیم حاصل کرلی یا کہ وہ غریب مسلمان جو رکشہ چلاتا ہے، وہ سمجھداری سے کام کر سکے۔ میں آپ سب لوگوں سے بہت مودبانہ درخواست کرتا ہوں کہ جو ہم Preach کر رہے ہیں اسکی پہلے پریکٹس شروع کریں اور علیگڑھ سے اگر آپ اتحاد کی بات کریں Dedication کی بات کریں، خلوص کی بات کریں، محنت کی بات کریں اور اپنے Call of duty سے ایک گھنٹہ زیادہ کرنے کی آپ بات کریں، تو پھر یہ قوم پیچھے نہیں رہ سکے گی بہت آگے بڑھے گی۔ علی گڑھ کو آپ آگے بڑھائیے اور میرے دوست نے صحیح کہا ہے کہ اسکو ڈھکیلنا ہوتا ہے، انجن چل نہیں رہا ہے تو میں آپ سے عرض کر رہا ہوں کہ آپ اس انجن کو چلایئے اور اس انجن کو چلانے والے یونیورسٹی کے ٹیچر ہوتے ہیں۔ وائس چانسلر نہیں یونیورسٹی ٹیچرس سے بنتی ہے وائس چانسلر سے نہیں۔ تو میں درخواست کروں گا کہ اپنے مسائل کے سمجھنے میں ہم سمجھداری سے کام لیں اتحاد سے کام لیں، خلوص سے کام لیں اور سخت محنت سے کام لیں یہ میری دعا ہے یہی میری التجا ہے اور میری درخواست ہے۔

وائس چانسلر (سابق) سید حامد

میں صرف دو ایک الفاظ وضاحت کے طور پر عرض کروں گا۔ جناب افتخار عالم صاحب نے بہت پتے کی بات کہی تھی۔ انھوں نے یہ فرمایا تھا کہ مسلمانوں نے مختلف سطحوں پر اپنے مسائل کو حل کیا ہے اور یہ بات یقیناً قابل داد ہے کہ حل کیا ہے، میرا روئے سخن اس بات کی طرف تھا کہ مسلمان تعلیم یافتہ نہ ہونے کی وجہ سے جہاں جہاں جو کام کر رہے ہیں اس میں

Marfat.com

وہ پیچھے رہیں، اور یہ ڈراپ آؤٹس کے متعلق یہ بات مصدقہ ہے کہ ہندستان میں مسلمان Dropouts کی تعداد بہت زیادہ ہے دوسروں کے مقابلہ میں اس کے Surveys بھی ہو چکے ہیں، یہ بات مسلّمہ ہے کہ آپ کہیں بھی مقابلہ کر لیجیے Dropouts کی تعداد مسلمانوں کی بہت زیادہ ہے، ابتدائی تعلیم میں تناسب سے کچھ کم تو ہوتے ہیں لیکن خاصی معقول تعداد میں داخل ہوتے ہیں اور آٹھویں تک نہیں رہتے دو سال کے اندر ان کو واپس لے لیتے ہیں ان کے والدین، اور ہوتا یہ ہے عبدالرحمٰن خاں صاحب ذکر کر رہے تھے ان کے Surveys کا، مراد آباد میں ساٹھ ستّر فیصد Incidence ہے تپ دق کا اور یہ بچے ان میں آپ کو ایسے بچے ملیں گے، علیگڈھ میں بھی ملیں گے، مراد آباد میں ملیں گے، میرٹھ میں ملیں گے جو آٹھ سال کے، نو سال کے دس سال کے ہیں، اور معلوم یہ ہوتا ہے کہ مسکراہٹ نے کبھی ان کے ہونٹوں کو چھوا نہیں، ان میں وہ سنجیدگی اور وہ فکرمندی نظر آتی ہے ان کے چہروں پر جس کی توقع آپ ایک ایسے شخص سے کر سکتے ہیں، جس نے ستّر اسّی سال گذارے ہیں مصیبتوں میں یہ عالم ان بچوں کا ہے، آپ دیکھیے بے شمار ہیں، نیندیں رات کی حرام ہو جائیں گی، بے شمار بچے چھ سال آٹھ سال کے اور یہ بات جو کہی گئی ہے کہ مسلمان معاشی طور پر فلاکت زدہ ہیں اس لیے وہ تعلیم نہیں دے پا رہے ہیں، معاشی خوشحالی کا تعلق تعلیم سے ضرور ہے لیکن ہمارے یہاں باوا آدم تقریباً نرالا ہے وہ یہ کہ مغربی یوپی میں جہاں مسلمان مشرقی یوپی سے زیادہ خوشحال ہیں، تعلیم کی زیادہ کمی اور مشرقی یوپی، کے مسلمان، بہار کے مسلمانوں کی نسبت سے زیادہ خوشحال ہیں، لہٰذا ان کی تعلیمی کیفیت مغربی یوپی سے بہتر ہے، اور بہار سے کمتر ہے۔ میں نے اعظم گڑھ کی ایک جگہ مثال دی، اعظم گڑھ کا ضلع مردم خیز ضلع ہے۔ اور وہاں دیہات ہیں۔ دیہات میں علم و ادب کا بڑا چرچا ہے۔ ابھی چند سال ہوئے میں وہاں گیا تو مجھے بتایا گیا کہ علم کی وہ روایت ختم ہو گئی اس وجہ سے کہ زرنفس کی کشائی شروع ہو گئی۔ تو بد قسمتی سے ہمارے یہاں جب حالات بہتر ہوتے ہیں تو ہم تعلیم سے اور زیادہ بے اعتنائی برتتے ہیں، یہ ہر جگہ ہے۔ اس میں بھی میں جو بات عرض کروں گا میرے محدود تجربے کی بنیاد پر ہو گی وہ کسی نظریاتی بنیاد پر نہیں ہو گی، ہمارے اہل حرفہ کا حال بہت خراب ہے، ہم مسلمان اب اس سے نکل نہیں پا رہے ہیں چھوٹے چھوٹے دھندے سے، اور چھوٹی دکان سے تو نکل نہیں پا رہے ہیں، اور پھر ان کی حد نظر محدود رہتی ہے وہاں تک وہ سوچتے ہیں کہ ہمارے بچے بھی یہی کریں گے، ہم بھی یہی کرتے رہیں۔ کسی طرح ان کو اس سے نکالنا ہے۔

دوسری بات وہ بھی وضاحت کے طور پر میں عرض کروں گا۔ جناب قاضی معزالدین صاحب نے

جن کا میں احترام کرتا ہوں انھوں نے یہ کہا کہ دلی میں بہت سے اسکول کھل رہے ہیں چھوٹے نرسری اسکول۔ میرا وطن میرا جس شہر سے تعلق ہے، مراد آباد میں میں نے دیکھا کہ بہت سے نرسری... اسکول کھل رہے ہیں لیکن وہاں پر آج سے پچاس سال ۵۲ سال پہلے کی بات ہے، جس مسلم اسکول میں کھیلنے جایا کرتا تھا کبھی کبھی matches ، وہ مسلم اسکول بالکل اسی حالت میں ابتک موجود ہے۔ وہاں کارونیشن ہندو ہائی اسکول تھا وہاں پوسٹ گریجویشن ہو رہا ہے —— لاء (قانون) کی تعلیم دی جارہی ہے، تقریباً یونیورسٹی کے برابر ہے۔ مسلمانوں کی اسکولوں کا یہی حال ہے۔ میں نے مراد آباد والوں سے کہا، کہ بھئی، اپنے اداروں کو سنبھالئے۔ وہاں یہ ایک جنون کا عالم ہے کہ ہمارے نام سے کوئی اسکول کھل جائے اور اگر شرک ہمارے یہاں ناجائز ہے تو مقاصد میں شرک بھی ناجائز۔ اگر مقصد آپ کا ہے کہ تعلیم میں مدد کریں تو آپ اس مقصد میں اپنی نیکنامی کو شامل نہیں کر سکتے۔ یہ دو باتیں۔

ایک بات میں بہت احترام کے ساتھ عرض کروں گا کہ میں نے غالباً یہ نہیں کہا کہ اردو مسلمانوں کی زبان ہے۔ میں اس کو تسلیم کرتا ہوں کہ اردو ہماری قومی زبان ہے اور اس میں مختلف زبانوں کی آمیزش ہے۔ یہ اس کی توانائی کا راز ہے، اردو کو مسلمان اپنی زبان نہیں کہہ سکتے، کہنا بھی نہیں چاہئے۔ اس کا مطلب یہ ہوا، لیکن یہ بات اپنی جگہ پر میرے خیال میں صحیح ہے کہ اردو بڑی تیزی کے ساتھ رو بہ زوال ہوئی۔ اردو کے کلمات اور اردو کے ڈرامے اگر آپ سنتے ہیں تو آپ یہ سمجھ لیجیے کہ اردو ایک بولی کی حیثیت سے تو اپنی جگہ قائم ہے اور برقرار رہے گی، لیکن اردو کے لکھنے اور پڑھنے والوں کی تعداد دن بدن کم ہوتی جارہی ہے، تشویشناک حد تک کم ہوتی جارہی ہے، اور اس میں ہمیشہ میں نے خطاب کیا ہے کہ مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔ میں نے کہا کہ یہ ہماری ہندو مائیں بہنیں سات سو سال تک اپنے گھروں میں محفوظ رکھ سکیں، اپنے سینوں میں محفوظ رکھ سکیں۔ اپنے مذہب کو انھوں نے اس طرح برقرار رکھا، اور ہماری مسلمان مائیں، بہنیں اور بیٹیاں چالیس سال کے اندر انھوں نے اردو زبان کو فنا کر دیا کم سے کم یو.پی میں اردو زبان کا وجود تقریباً نہ ہونے کے برابر ہے۔ جیسا کہ ایک صاحب نے کہا کہ پچیس سال سے کم کے کسی طالب علم سے آپ پوچھیے تو معلوم ہوگا کہ وہ اردو سے ناواقف ہے۔ اردو کے ساتھ ایک بات میں عرض کروں گا؛ میں نے اردو کو کبھی مسلمانوں کے ساتھ نہیں جوڑا ہے، لیکن یہ زمانہ وہ آگیا ہے کہ ہم اردو کو قومی زبان ہر وقت کہیں۔ ہے وہ زبان قومی اور اردو کے بعض محسنین جیسا سید ہاشم علی صاحب نے فرمایا گجرال صاحب، بہت سے محسنین غیر مسلم ہیں، لیکن اردو کی تحفظ کی ذمہ داری انسداد

Marfat.com

زوال کی ذمہ داری، اردو کے فروغ کی ذمہ داری، سوئے اتفاق یہ ہے کہ صرف مسلمانوں کے شانوں پر آرہی ہے۔ ہم اگر یہ سوچیں کہ قومی زبان ہے قوم خود اس کی حفاظت کرے گی، تو شاید یہ نہ ہو، ہم کو صرف یہ سوچنا ہے یہ قومی زبان ہے، قومی میراث ہے، ہندستان کی زبان ہے، ہندستان کے آئین میں یہ محفوظ ہے، لیکن اگر اس کی حفاظت ہم نے نہیں کی، تو پھر اس کی حفاظت کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ یہ بات تو مجھے دیوار پر لکھی ہوئی نظر آرہی ہے۔ اور اس کی حفاظت! عجیب عالم ہوتا ہے۔ ابھی بہار کا ذکر آیا کہ بہار میں اردو کو دوسری زبان کا درجہ دے دیا گیا لیکن اردو کو کیا اس سے کوئی فروغ ہوا؛ دینی مدارس کو سرکار نے اپنا لیا، اس کے متعلق اطلاعات تشویشناک مل رہی ہیں کہ ان میں پڑھائی اُن کی سنجیدگی، یہ سب ختم ہوگئیں؛ یہ بدقسمتی کی بات ہے۔ جو باتیں ہمارے حق میں ہوتی ہیں اگر ان کو ہم اپنے مفاد کیلئے استعمال نہ کریں بلکہ اس کو اپنے مفاد کے برعکس جانے دیں تو یہ ہماری محرومی ہے۔ ہم کو چاہئے کہ ان سارے مواقع کا فائدہ اٹھائیں، ہم کو یہ نہیں چاہیئے کہ مواقع کو ہاتھ سے دے دیں۔ ایک بات میں نے تعلیمی پالیسی کے سلسلے میں عرض کی تھی وہ یہ ہے کہ تعلیمی پالیسی میں ایک تو عام تعلیمی پالیسی سے ہم کو فائدہ اٹھانا چاہئے، مثلاً تعلیم بالغان میں بڑی گنجائشیں ہیں۔ ہم کو اس سے فائدہ اٹھانا چاہئیے۔ تعلیمی پالیسی میں پروگرام آف ایکشن میں بہت سی باتیں اقلیتوں کے مفاد کی قلم بند کی گئی ہیں، ہم کو آگے بڑھ کر ان کو لینا چاہئے، اخذ کرنا چاہئے۔ سرکار کی ساری اسکیم ایک خاکے کی نوعیت رکھتی ہے۔ اس میں آب و رنگ بھرنا اس خاکے میں یہ ہمارا کام ہے اگر ہم آب و رنگ نہیں بھرتے تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ سرکار نے صرف خاکہ بنا کر چھوڑ دیا۔ اس میں آب و رنگ نہیں بھرا۔ آب و رنگ تو آپ کی کاوش سے بھرا جائے گا اور آپکی پیش قدمی سے بھرا جائے گا۔ آپ آگے بڑھیں اپنے اپنے قریے میں، اپنے اپنے شہر میں، اپنے اپنے ضلع میں، وہاں کے ارباب اختیار سے رابطہ قائم کریں۔ ان سے اپنی بات کہیں، آپ ان سے اپنی بات کہیں گے تو وہ سنیں گے، اور ان میں سے جو نہ سنیں گے تو پھر اس قسم کی تنظیم تو ہو ہی سکتی ہے کہ ریاستی سطح پر کوئی بات کرلی جائے۔ وہاں بھی انجمنیں ہیں آپ کی؛ اس کے علاوہ مرکز کی سطح پر بھی بات ہو سکتی ہے لیکن ہم اگر یہ کہیں کہ کتاب میں لکھ ہے اس لئے ہمیں سب کچھ مل جانا چاہئے، تو یہ بڑی غلطی ہوگی؛ یہ تو کسی دوسرے فرقے کے لیے بھی ایک کتاب میں اگر کچھ لکھ جائے تو خود بخود اسے نہیں ملتا، جب تک کہ اس کے افراد آگے نہیں بڑھتے، جب تک کہ وہ اس کو خود نہیں سنبھالتے۔

ع جو بڑھ کر خود اٹھا لے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے۔

ضرورت ہے پیش قدمی کی اور ضرورت ہے ریاضت کی اور سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم عمل کے میدان میں نکلیں۔ عمل کے میدان میں نکلنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ اپنے کاموں کو چھوڑ دیں۔ ان کاموں کے ساتھ آپ بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ اور جناب سید ہاشم علی صاحب کی قیادت میں علیگڈھ نے کوشش کی ہے کہ مسلمانوں کے مسائل کا حل نکالیں اور اس کوشش کو وسعت دینا ہم سب کا فرض ہے۔ اس کوشش کو پھیلانا ہمارا فرض ہے اور ہم حل نکال سکتے ہیں لیکن اس انداز سے نہیں، کہ کوئی کمیٹی قائم ہو جائے یا کوئی مزید سیمنار ہو، یہ تو یہ ہے کہ آج یہ بات ہوئی اور کل سے آپ نے کوئی کام شروع کر دیا۔ اس سمت میں اگر آپ نے ایک قدم اٹھالیا کل تو سمجھ لیجئے کہ کچھ کام ہوگا۔ اور اگر کل آپ نے کوئی قدم نہیں اٹھایا، تو فردائے قیامت تک یہ کام نہیں ہوگا، کوئی کرنے والا نہیں، میرے معروضے کا سارا مدعا یہ ہے کہ ہم کو اب اقوال کو چھوڑ کر افعال کی طرف آنا ہے اور ہماری تقریروں اور ہمارے مباحث سے کام نہیں چلے گا۔ مسز کشور شبیر خاں نے فرمایا، بجا فرمایا کہ بہت سی مائیکرو اسٹڈیز کی ضرورت ہے۔ یہ کبھی ہم یہاں کر سکتے ہیں۔ میں تو درخواست یہ کروں گا اپنے محترم جناب سید ہاشم علی صاحب سے کہ صرف دو باتوں کے Survey کیلئے میں نے کئی جگہ یہ درخواست کی ہے، علی اشرف صاحب سے بھی کی کہ ایک سوالنامہ بنا دیا جائے صرف دو باتوں کے متعلق؛ ایک تعلیم کے متعلق اور ایک صحت کے متعلق۔ افرادی طاقت ان دو چیزوں سے بنتی ہے یقین کے علاوہ؛ یقین تو نہ معلوم بجلی دوڑا دیتا ہے! لیکن یقین کے علاوہ مادّی دو وسائل ہیں۔ ایک علم اور ایک صحت؛ اور میرا یہ اندازہ ہے، مجھے فکر اس کی ہے چاہے میرے فکر کی کوئی اہمیت نہیں، میں یہ سوچ رہا ہوں کہ مسلمان نہ صرف تعلیم کے میدان میں بلکہ صحت کے میدان میں بھی پیچھے جا رہے ہیں، ان کی خورد و نوش کی عادات درست نہیں ہیں۔ ان کے اوقات صحیح نہیں ہیں اور ان کو وہ غذا بھی نہیں مل رہی ہے جو صحت کو قائم رکھنے کیلئے ضروری ہے؛ تو ایک سوالنامہ یہاں کے متخصصین مرتب کر دیں، چھ سوال تقریباً تعلیم کے متعلق اور چھ سوال صحت کے متعلق تو میں گھوما کرتا ہوں اس سروے کو میرا خیال ہے پچاس ساٹھ شہروں میں تو کرا سکتا ہوں؛ یہ مجھے مل جائے، اس پر اعتماد ہو، الہ آباد میں میں نے شروع کرا دیا، یہ کہا کہ سوالنامہ آپ بنائیے اور چلئے جب کوئی منضبط اور معتبر سوالنامہ بنے گا متخصصین کے ذریعہ

Marfat.com

تو ہم بھیج دیں گے، تو الہ آباد والے یہ کام کر رہے ہیں؛ اس کام کی ضرورت ہے، چھوٹے موٹے سرویز کی۔ میں پھر دہراؤں گا اس بات کو کہ ہم اب کسی بات کو مرکزیت نہ دیں، مرکزیت دیں تو صرف اس حد تک کہ علیگڈھ مسلم یونیورسٹی، جامعہ ملیہ اسلامیہ یہ بات ہمیں سمجھا دیں۔ ہمیں بصیرت دیں اور ہمیں روشنیاں دیں، اسکے علاوہ آپ کسی مرکزی نظم کی کوشش نہ کیجئے، کیونکہ ہم میں اس کی صلاحیت نہیں ہے۔ اور خدا نخواستہ وہ ناکامیاب ہوا تو کہیں سے آپ کچھ حاصل نہیں کر پائیں گے، اور یہاں اگر آپ نے پچاس شہروں میں شروع کیا، اس قسم کا سروے تو پچاس میں اگر چالیس میں ناکامیاب ہوا تو دس میں کامیاب ہو گیا، تو بہت بڑی بات ہے۔ میں انتہائی شکر گذار ہوں کہ مجھ کو تین بار یہ موقع دیا گیا، اور غالباً میں نے تینوں بار، اپنے حقوق سے تجاوز کیا اور زیادہ وقت لے لیا لیکن آج میں محسوس کرتا ہوں کہ باتیں کام کی ہوئیں، اور اعادہ نہیں ہوا اور عام طور پر نئے نئے زاویے ہمارے سامنے آئے، اور ایک خیر سگالی کی فضا پیدا ہوئی۔ یہ خیر سگالی کی، خیر اندیشی کی فضا کو آپ عام کیجئے؛ ہم کو یہ احساس اب ہونا چاہئے کہ ہم اس ہندستان کے شہری ہیں اور ہم کو اپنے ہندستانی بھائیوں کے ساتھ اپنے تعلقات کو استوار کرنا چاہئے عزت نفس کے ساتھ، کسی تحقیر کو گوارا کرنے کا سوال نہیں ہونا چاہئے عزت نفس کے ساتھ بڑھیں، ان کو اپنا دست تعاون بڑھائیں۔ انکے متعلق ہمیں انتہائی لاعلمی ہے، انھیں بھی ہمارے متعلق انتہائی لاعلمی ہے۔ یہ لاعلمی جب دور ہوگی، ہم ایک دوسرے کو سمجھیں گے تو بہت سی بدگمانیاں بھی زائل ہونگی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ سارے مسائل کا یہ حل ہے؛ تعصبات ان میں باقی رہیں گے، ہم میں بھی باقی رہیں گے۔

—— مگر ان میں شدت بتدریج کم ہوتی چلی جائے گی؛ اور میں نے جو اتنے وثوق سے دعوے کے ساتھ کہا کہ آپ آرمڈ فورسز، پی. اے سی اور پیرا ملیٹری فورسیز میں مسلمانوں کو مناسب تعداد میں داخل کر دیں تو یہ نہیں ہوگا، یہ جو نیا رخ ہے، اور اب یہ دکھ عام طور پر ہے کہ ہندو اور مسلمان آپس میں نہیں لڑتے ہیں بلکہ سرکاری جماعتیں، سرکاری فورسیز یہ فریق بن جاتی ہیں تو اس رخ کے ازالے کے لیے یہ واحد طریقہ ہے، اور جیسا کہ اقبال انصاری صاحب نے فرمایا —— انھوں نے یہ فرمایا، اور مجھے یاد تھا، میں نے بھی ذکر کیا کہ مرارجی ڈیسائی صاحب جب علیگڈھ آئے سنہ ۷۸ء کی بات تھی، تو انھوں نے یہ بڑا واضح اعلان کیا تھا کہ ہم پولس اور گورنر میں مسلمانوں کو معقول تعداد میں جگہ دیں گے، اور میں اپنے محدود انتظامی تجربے کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ اگر جگہ دیں گے تو یہ ہر پلیٹون میں ہوگی، ہر کمپنی میں ہوگی۔ یعنی یہ نہیں کہ پانچ کمپنی ہندوؤں کی اور ایک کمپنی مسلمانوں کی، یہ نہیں۔ ہر کمپنی ہر پلیٹون میں ساتھ رہنے

Marfat.com

کے اثرات بڑے واضح ہیں۔ بڑے واضح ہوتے، پھر کسی کی نہ ہمت ہوتی اور کسی کی نہ خواہش ہوتی، کہ نہ تیغ کر دیں دوسروں کو، یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ برادری کہیے اس کو، اس کو برادری بھائی چارہ کہیے۔ عام فورسیز میں، پولس میں یہ بڑا مضبوط ہوتا، بڑا استوار ہوتا جب دیکھتے ہیں کہ کوئی ہے ہی نہیں ہم میں۔ ٹھیک ہے۔

پروفیسر آل احمد سرور

مختلف لوگوں نے اچھے اچھے خیالات ظاہر کئے ہیں؛ بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے پاس اپنے متعلق اعداد و شمار نہیں ہیں۔ ہماری آبادی کیا ہے ہندستان میں آٹھ کروڑ، نو کروڑ، دس کروڑ، گیارہ کروڑ کتنے ہیں، صحیح اعداد و شمار نہیں ہیں، ہمیں یہ معلوم نہیں ہے صحیح معنوں میں کہ یو۔ پی میں یا بہار میں یا دوسری ریاستوں میں پوری آبادی میں کتنے ہیں مسلمان، جو پرائمری اسکول میں ہیں، ان میں مرد کتنے ہیں، عورتیں کتنی ہیں۔ لڑکے کتنے ہیں اور لڑکیاں کتنی ہیں، ثانوی درجے کا کیا حال ہے، اعلیٰ درجے کا کیا حال ہے، تو پہلی کوشش ہماری یہ ہونی چاہیئے کہ مسلمانوں کی آبادی سے لے کر مسلمانوں کی تعلیم پھر ان کی اقتصادی زندگی، اور ساری صنعتی سرگرمیاں، ان کے متعلق، معلومات چاہیئے۔ ظاہر بات ہے کہ یہ معلومات یا تو کوئی ایسا ادارہ حاصل کر سکتا ہے جس کے پاس کچھ ایکسپرٹس ہوں جیسے علیگڈھ ہے یا جامعہ ہے یا ہم لوگ ایسا ادارہ بنائیں جو صرف انفارمیشن رکھتا ہو۔ اس کی قومی خدمت صرف یہی ہوگی کہ وہ ہر مسئلے پر جو طے کیا جائے آپ کو آگاہ کیا کرے۔

دوسری بات جو ہے وہ یہ ہے کہ اصل مسئلہ مسلمانوں کا یہ ہے کہ وہ جدید زندگی میں جدید دور میں اب بھی ازمنۂ وسطیٰ کے ذہن سے زندگی گذار رہے ہیں۔ سب لوگ ایسے نہیں ہیں ظاہر ہے کہ سب لوگ ایسے نہیں مگر مجموعی طور پر ہمارا ذہن، ہماری طرز فکر، ازمنۂ وسطیٰ کی ہے، اچھے برے کا سوال نہیں ہے۔ اور ہم ہیں جو جدید دور میں اور وہ Renaissance یا نشاۃ ثانیہ جو ہندستان میں ہوا تھا ـــــ جو بعد میں سرسید کے ہاتھوں انیسویں صدی کے آخر میں اردو داں طبقے یا مسلمانوں تک پہنچا۔ پورے طور پر وہ نامکمل رہا ـ وہ پورے طور پر کام نہیں ہو سکا، اور اس کے اثرات سب نے قبول کئے۔ وہ بھی معاف کیجیے گا کہ تھا ایک محدود طبقے کے لیے جس سے خوشحالی نیچے تک پہونچے۔ اور وہ اپنی جگہ پر ٹھیک تھا۔ لیکن اب سوال پورے مسلمانوں کا ہے ہندستان میں جو کہ ہندستان کی قومیت کا ایک اہم حصہ ہے۔

Marfat.com

مولانا آزاد نے رام گڑھ کے خطبے میں جو بات کہی تھی اس کو لوگوں نے تعریف کر کے اڑا دیا۔ آج بھی وہ اتنی سچی ہے جتنی کل تھی، یعنی اسلام کا تیرہ سو سال کا سارا سرمایہ ہمارا ورثہ ہے، ہم اس میں سے ایک شمہ بھی چھوڑنا گوارا نہیں کرینگے، اور اسی طرح سے ہندستان کا جو سارا سرمایہ ہے ہم اس کے بھی امین ہیں۔ اور اس میں سے بھی اور اس کے ایسے جز ہیں جس کے بغیر اس قومیت کا ہیکل مکمل نہیں ہوتا ہے اور اس لئے اس کو چھوڑنا گوارا نہیں۔ یہ محض آئیڈیل بات نہیں۔ یہ ایک ہندستانی مسلمان کی حقیقت ہے۔ وہ ہندستانی قوم کا ایک جز ہیں، اور اس کے ساتھ ساتھ وہ ایسا جز ہیں جس کے بغیر ہندستانیت کا نقشہ مکمل نہیں ہوتا۔ یہ جو ایک برصغیر ہے اس میں جنوبی ہند، جنوبی ایشیا، جنوبی مشرقی ایشیا وسطی اور مغربی ایشیا، تینوں کے عناصر ان کی دھارائیں ہیں۔ ـــــ ہوا یہ ہے کہ آزادی کے بعد مختلف حالات کی بنا پر اس کی تفصیل میں ہم نہیں جائیں گے، واقعہ یہ ہے، میں تو یہ محسوس کرتا ہوں احیا پرستی کی تحریک ہندستان میں چل پڑی ہے، اور اس کا اثر یہاں بڑی تعداد پر مضمر ہے۔ اس کے ردعمل کے طور پر مسلمان عمل تو کرتا نہیں ہے ردعمل کرتا ہے، ردعمل کے طور پر وہ تحریک تھی۔ جسے مسلم فنڈامنٹلزم کہا جاتا ہے۔ میں تو اس کو ردعمل کہا کرتا ہوں۔ مسلمانوں نے اب صرف یہ سمجھا ہے کہ اسلام نام ہے عقیدے اور عبادات کا، معاملات سے کچھ سروکار نہیں۔ حالانکہ معاملات میں، اور صرف معاملات میں تو وہ دیکھا جاتا ہے کہ کیسا مسلمان ہے، کیسا شہری ہے، سچ بولتا ہے یا نہیں بولتا، دیانتداری سے کام کرتا ہے یا نہیں کرتا۔ اپنے پڑوسی کے حقوق کی حفاظت کرتا ہے یا نہیں کرتا۔ تو مطلب کہنے کا یہ ہے کہ معاملات کو فراموش کر کے ہم لوگوں نے صرف عبادات اور عقائد کو اسلام سمجھ لیا ہے اور رسمی اسلام کو اسلام سمجھ لیا ہے اس کی جو کہ روح کو نظر انداز کر دیا ہے۔ اور یہ اس وجہ سے ہوا کہ ہم خوف کا شکار ہو گئے نفسیاتی طور پر خدا کا خوف تو ٹھیک ہے،

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے　　　ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

وہ تو سجدہ نہیں ہوا اب سجدہ کیا ہے، معاف کیجئے گا، میں کہتا ہوں بار بار آپ کو، شاید مانیں نہ مانیں Consumerism کا، صارفیت کا اور خاص طور پر مسلمانوں کا جو دانشور طبقہ ہے، یونیورسٹیوں کا طبقہ ہے، خوشحال طبقہ ہے جو اس طور پر اور لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے۔ وہ صارفیت کی بلا میں عذاب میں،

آسیب میں مبتلا ہے۔ اس کے سامنے کچھ اخلاقی مقصد نہیں، اس کے سامنے کوئی مذہبی مقصد نہیں اس کے سامنے صرف . . . ہے ہمارے، ہمارے . . . آر بیٹرن ہمارے فارمرس اب بھی ٹھیک ہیں۔

سب کچھ ٹھیک ہے ان کا مسلک اپنی جگہ پر ہے۔ انھوں نے جیسا اسلام کو سمجھا ہے، وہ برتتے ہیں۔ ان کو یہی بتایا ہوگا علماء نے! ——— وہ اپنی ذاتی زندگی جو گذار رہے ہیں، وہ اقتصادی کشمکش میں مبتلا ہیں اس سے نبرد آزما ہو رہے ہیں، میں تو اس کی داد دیتا ہوں؛ لیکن مشکل یہ ہے کہ ان کی رہنمائی جو کرنا چاہئے پڑھے لکھے طبقے کو وہ نہیں کر رہا ہے۔ پڑھا لکھا طبقہ تو صرف اپنے اس میں گرفتار ہے۔ اب یہ لوگ اس کے ساتھ جائیں گے۔ یہ جاتے ہیں زیارت کے لیے بعض مذہبی رہنماؤں کے پاس یا علما کے پاس۔ علماء کا معاملہ جو ہے وہ یہ ہے کہ انھوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ صرف مسئلے طلاق کے' اور نکاح کے مسائل، وراثت کے مسائل 'عید کا چاند کب نکلے گا، اس کے متعلق احکام! یہ اس کا حال ہے؛ اب ظاہر بات ہے وہ بیچارہ جو مزدور ہے یا کسان ہے، ذرا سا اس کے پاس پیسہ آتا ہے تو وہ میلاد شریف کراتا ہے۔ اس میں وہ مولوی آکر تقریر کرتا ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارے ہر شہر میں ایسی انجمنیں ہوں جو مساجد میں اس بات کا انتظام کریں۔ یہ صحیح بات کہی گئی تھی، کہ ہر نماز کے بعد اردو میں یا کیرالا میں اگر ہے تو ملیالم میں، بنگال میں اگر ہے تو بنگالی میں' مسلمانوں کو اس زمانے میں آج کے مسائل بتائے جائیں۔ مذہبی مسائل بھی اور دینوی مسائل بھی۔ اس کا مطلب یہ ہے تو یہ نہیں ہو رہا ہے۔ ترکی میں جہاں تک مجھے معلوم ہے وہاں طریقۂ کار یہ ہے کہ جو مساجد کے مؤذن ہوتے ہیں ان کو ٹرینڈ کرایا جا رہا ہے۔ ہم تو یہ نہیں کر سکتے— ہمارے یہاں انجمنیں یہ کر سکتی ہیں، ہمارے وقف بورڈ یہ . . . . . . کر سکتے ہیں؛ لیکن وہ نہیں کرتے، پھر ٹریننگ اس قسم کی ہماری یونیورسٹیاں بھی کر سکتی ہیں جو سر سید کا خواب تھا جسکا تیسرا حصہ کبھی پورا نہیں ہوا۔ پہلا حصہ یہ تھا کہ انگریزی میں بھی تعلیم دی جائے تعلیم دینے کا مقصد روزگار مہیا کرنا تھا۔ اردو کے ذریعہ تعلیم دینے کا مقصد یہ تھا کہ اردو میں آئیں اور اس طرح سے . . . تیسرا یہ تھا آپ کے عربی مدارس سے کچھ لوگوں کو جمع کی جائے اور ان کو جدید تعلیم دی جائے اردو زبان کی یہ پہلی چیز تو چلی پھلی پھولی اور اس کے نتائج ہم دیکھ رہے ہیں۔ دوسری سات برس تک چلی اس کے بعد ختم کردی گئی، اس لیے کہ لوگوں نے دیکھا، فوری فائدہ زیادہ ضروری ہے۔ علمی فائدہ تو بعد میں ہوتا ہے۔ تیسری چیز تو دیکھی ہی نہیں گئی۔ یعنی یہ کہ وہ لوگ آپ کی ضروریات سے باخبر ہوں۔ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کیلئے ملی تشخص ضروری ہے، ہم مسلمان ہیں، ہم تو فخر کرتے ہیں اور ہم تو چاہیں گے کہ ہمارے

Marfat.com

بچے، ہماری آئندہ نسلیں اس ملی تشخص کا احساس رکھیں، لیکن اس ملی تشخص کے معنی صرف یہ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنانے کے نہیں ہیں، صرف عقائد اور عبادات پر زور دینے کے نہیں بلکہ معاملات میں بھی مسلمان ہونے کی ضرورت ہے جس پر کوئی توجہ نہیں ہوئی ہے، نہ علماء نے کی ہے نہ تو آپ کے تعلیم یافتہ طبقہ نے کی ہے۔ معاملات میں انصاف، مثلاً یہ کہ رشوت لینا یا دینا، بے ایمانی ہے، کام چوری ہے، غیبت ہے، جتنے بھی گناہ کبیرہ گنائے گئے ہیں اسلام میں وہ سب آجکل ہماری صفوں میں موجود ہیں۔ عرض یہ کرنا ہے کہ معاملات کا جو معاملہ ہوتا ہے اس کا اثر پوری برادری پر پڑتا ہے، صرف مسلمانوں پر ہی نہیں پڑتا، دوسروں پر بھی پڑتا ہے۔

معاملات سے ہی لوگ پہچانے جاتے ہیں، ایک زمانے میں کہا جاتا تھا کہ مسلمان جھوٹ نہیں بولتے ہیں۔ کوئی مسئلہ آئے گا، جھگڑا ہوگا اس کو رفع کرو، اس سے پوچھو آج تو ہم نہیں کہہ سکتے۔ تو یہ جو اخلاقی زوال ہم میں ہوا ہے، اس وجہ سے ہوا ہے کہ ہم نے اسلام کو محدود کر دیا ہے صرف چند ارکان اور چند عبادات پر اور ہم نے اس کی جو حقیقی اسپرٹ تھی جو اس کا انسانیت کے لیے پیغام تھا اس کو نظر انداز کر دیا، اس پر توجہ کرنا ہے۔ اور اس کے لئے ضروری یہ ہے کہ ہمارا تعلیم یافتہ طبقہ وہ دردمندی پیدا کرے کیونکہ اس کا کام صرف تعلیم دینا یا پروفیسری کرنا نہیں ہے۔ اس خصوصی کام کا ایک مقصد ہے، اور اس لئے اس کام کے سلسلے میں اکونومکس کے آدمی کا فرض یہ ہے کہ وہ مختلف لوگوں کے Statistics جمع کرے۔ عربی وفارسی اور دوسرے اشخاص کے شعبے کے لوگوں کا فرض یہ ہے وہ اس سلسلے میں اعداد و شمار جمع کریں، اور انھیں Communicate کریں۔ ہر یونیورسٹی کے ہر تعلیم یافتہ مسلمان کا فرض یہ ہے کہ وہ بجائے اس کے کہ اس وقت صرف خواب دیکھے صارفیت کے آئیڈیل کے، اس کا تو اس کو حق ہے کہ وہ آسودہ ہو وہ صاف ستھری زندگی کے ساتھ بہتر گریڈ کیلئے جد وجہد کرے لیکن کوئی

نہ کوئی چیز ایسی ہونی چاہیئے کہ جس سے وہ کام کے سلسلے میں اعتبار ہو سکے؛ ہم قصیدہ بھی پڑھتے ہیں، انداز گل افشانی گفتار بھی ہمارے یہاں ہوتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ قصیدہ اور رہے ہی کیا اب تو معاملہ یہ ہے کہ ہندستان میں بدقسمتی سے اس نئے ہندستان میں ہمارے دستور میں جو نقشہ کھینچا گیا تھا اس پر اس لیے عمل نہیں ہو رہا ہے کہ پورے ملک کی اخلاقی حالت بہت گری ہوئی ہے؛ اس لئے آپ مدارس میں دیکھئے کیا ہوتا ہے، دفتروں میں دیکھئے کیا ہوتا ہے، حکومت کے اداروں میں دیکھئے

Marfat.com

کیا ہوتا ہے، دستور میں جو تحفظات دیئے گئے تھے، جو نقشہ پیش کیا گیا تھا اس پر عمل کرانا صرف اکثریت کا فرض نہیں ہے، ہمارا بھی فرض ہوتا ہے، یعنی جمہوری اسپرٹ کو پہچاننا اور اس سلسلے میں مدد دینا۔ اس لیے معاملہ یہ نہیں ہے کہ صاحب سارا قصور مسلمانوں کا ہے۔ اس وقت ہندستان میں بہت بڑا خطرہ پیدا یہ ہو رہا ہے کہ ہو سکتا ہے مسلمانوں کو ذمہ داری بھی رہی ہو یہ کہ ایک بہت بڑے پیمانے پر ہندو Revivalism آگیا ہے۔ اور اس لیے مسلمانوں کو اپنے لیے بھی اور ہندستان کیلئے بھی رول ادا کرنا ہے، اور وہ رول یہ ہے کہ وہ اشارہ کریں کہ وہ ہندستان کی پوری تاریخ جو ہے وہ اشوک کی بھی ہے، موریہ کی بھی ہے، اکبر اور اورنگ زیب کی بھی ہے اور انگریزوں کے دور کی بھی ہے اور اس میں ہمارے خواجہ غریب نواز بھی آتے ہیں، نظام الدین اولیا بھی آتے ہیں اور صوفیائے کرام بھی آتے ہیں تو مطلب کہنے کا یہ ہے کہ پوری تاریخ ہندستان کی ہم دے سکتے ہیں۔ اور اس کے سلسلے میں ہمیں کرنا یہ ہے کہ ہم اپنے اداروں میں کم سے کم اس بات کی کوشش کریں کہ یہ نہ دیکھا جائے کہ کوئی شخص جو ہے وہ کیا ڈگری لے کر آیا ہے یہ دیکھا جائے کہ ایک سال میں، دو سال میں، تین سال میں اس نے کیا کام کیا What he has produced اور وہ کام جو ہے Fundamental Research کے علاوہ Applied Research کا بھی ہونا چاہیئے۔ اس لیے کہ دونوں کا تعلق ہے ایک تو وہ کہ علوم کے سلسلے میں اپنے مسائل چاہے وہ جنس کے مسائل ہوں چاہے وہ مائیکرو اکونومکس کے مسائل ہوں یا کھیل کے مسائل ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ جو ہمارے Applied مسائل ہیں، زندگی کے مسائل ہوں انھیں لینا چاہیئے اور یہ کام ہم کر سکتے ہیں اس لیے صحیح کہا گیا اس کی بڑی بڑی تنظیم کی ضرورت نہیں مسلمان کی کسی ایک تنظیم کی ضرورت نہیں، ہاں جو اس کے مذہبی معاملات ہیں جو ان کے مخصوص تہذیبی معاملات ہیں، مخصوص تہذیبی معاملات میں استعمال کرنا چاہتا ہوں ان میں سے جو متفق ہو کر کام کر سکیں، لیکن مسلمانوں میں اتفاق نام کی کوئی چیز نہیں۔ جیسا کہ کہا گیا ہے کہ ہر مسئلے پر جتنے آدمی ہوتے ہیں اس سے زیادہ راہیں ہوتی ہیں۔ سوال کہنے کا یہ ہے کہ ہم کوئی عام معاملات میں دوسرے لوگوں سے مل کر اکثریت کے لوگوں سے مل کر آگے بڑھنا چاہیئے اس اعتماد کے ساتھ کہ ہم جو پیغام رکھتے ہیں، پوشن رکھتے ہیں، جو قدریں رکھتے ہیں، وہ قدریں ہمارے لئے ہی نہیں بلکہ دوسروں کے لیے بھی باعث فخر رہنا چاہیئے، تو ضرورت اس بات کی ہے، کہ مسلمانوں کے تعلیمی مسائل پر الگ کتاب ہو، مسلمانوں کی آج جو مذہبی مسائل ہیں ان پر الگ کتاب ہونی چاہیئے، اسی طرح اقتصادی مسائل پر الگ

کتابیں لکھیں جو Information پر Documentation پر Survey پر ہو اور اس کے ساتھ ساتھ اور چیزوں پر جو متعلقہ پہلو ہوں ان پر بھی۔ کیا بات ہے کہ جنوبی ہند کے مسلمان کی حالت بہتر ہے شمالی ہند کے مسلمانوں کی حالت سے؟ کیا بات ہے کہ فسادات اِس طرف زیادہ ہوتے ہیں؛ شاید اس کا تعلق اقتصادیات سے بھی ہو؛ وہ اس وجہ سے ہے کہ وہاں تعداد کم ہے، اس لیے مسئلہ ہی کوئی خاص پیدا نہیں ہوتا۔ بہرحال جیسا کہ اس طرف اشارہ بھی کیا گیا ہے وہ مہاراشٹر ہو، کرناٹک ہو یا کیرالا ہو، تامل ناڈو ہو، وہاں پر آپ کو مسلمانوں کے ادارے ایسے ملیں گے جو یہ کام کرتے ہیں؛ میں نے خود میسور میں دیکھا کہ وہ ہوسٹل چلا رہے ہیں ایک ادارہ ہے جو ہوسٹل چلا رہا ہے، اس میں وہ صرف لڑکوں کو جو اس میں داخل ہو جاتے ہیں، ان کو ہوسٹل میں رکھا جاتا تھا۔ اس کا کام صرف یہی ہے؛ دوسرا ادارہ ہے جو دوسرا کام کرتا ہے۔ اگر ایسے ایسے کاموں کی تقسیم ہو جائے اور ہم میں یہ اسپرٹ پیدا ہو جائے تو ہم بھی بہت کچھ کر سکتے ہیں، اصل معاملہ جو ہے وہ یہ ہے کہ کوئی جادو کی چھڑی تو ایسی نہیں جو کل ہم اُٹھیں تو سارے مسائل دور ہو جائیں۔ لیکن مسائل کے حل کی طرف کوشش تو ہو؛ اور وہ کوشش ضروری نہیں کہ ہمارے پاس کوئی معلومات نہیں۔ دوسرے ہمارا اسلام کا حقیقی تصور ہونا چاہیئے، رسمی تصور نہیں ہونا چاہیئے۔ اور اس میں عقائد، عبادات اور معاملات تینوں پر زور دینی چاہیئے، تیسرے یہ کہ ہم کو یہ سمجھنا چاہیئے اور فخر کے ساتھ یہ سمجھنا چاہیئے، سکڑنا نہیں چاہئے، دبنا نہیں چاہیئے کہ ہم اس ملک کے شہری ہیں؛ بدقسمتی سے یہاں ہے آئین، اس میں کچھ ہماری بھی ذمہ داری ہے۔ لیکن زیادہ ذمہ داری اکثریت کی ہے۔ اس اکثریت کا مقابلہ کرنا ہے ہر طریقے سے۔ ولے ذرہ ورمے سخنے۔ اس کے خلاف جہاد کرنا چاہیئے اور اس کو راہ راست پر لانا ہے، لیکن میرا مسئلہ تو نہیں حل ہوگا؛ کچھ کرنا ہے وہ یہی کرنا ہے، اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم جدید دور کی زندگی میں قدم رکھیں؛ مغربی دور کی زندگی کی پہچان صرف سائنسی اسپرٹ، حریت فکر ہی نہیں ہے۔ سائنسی طرز فکر اور میں تو یورپ کے بعد کچھ اور بات کہتا ہوں میں کہ خدمت خلق کا جذبہ جو ہم میں تھا اور اب ہم میں نایاب ہے۔ آپ امریکہ میں اگر چلے جایئے۔ اور رات کو ایک بجے پہونچیں، تو آپ کو کوئی ادارہ ایسا مل جائے گا یورپ میں جو آپ کو پناہ دے سکے۔ ان کا کام صرف یہی ہے کہ جن لوگوں کو پناہ نہیں ملتی انھیں پناہ دیتے ہیں۔ اس طریقے سے امریکہ میں، یورپ میں جا ہے کتنے گئے گذرے ہوں معاملات میں لیکن ہمارے یہاں آپ دیکھئے کہ عیسائیوں نے کتنے ہسپتال کھولے ہیں، جو سب کیلئے

ہیں. کتنے دھرم شالے کھولے؛ ہمارے پاس کتنے مسلمانوں ایسے ہسپتال کھولے ہیں . . . یہ کتنے ہسپتال ایسے ہیں جو سب کیلئے ہیں. کتنے ایسے ادارے ہیں جو صرف خیر کے لیے ہوں، کرسچن میں یہ روایت کیوں ہے، ہم میں یہ روایت کیوں نہیں ہے؟ تو مطلب صرف یہ ہے کہ ذرا یہ بھی سمجھئے آپ جس فرقے میں اور جس قوم میں ہیں اس کا بھی کچھ آپ کو پاس نہیں ہے اور اس لیے نہ صرف یہ کہ آپ صرف اس کے مسائل میں دلچسپی لیجئے بلکہ اپنا کام یہ بنایئے علاوہ اپنے منصبی کام کے کچھ نہ کچھ تعلیم کے سلسلے میں اگر آپ کر سکتے ہیں اس میں کیجیے، چاہے آپ صنعتی کام میں کر سکتے ہیں تو اس میں کیجئے، چاہے آپ بستی کو بہتر بنانے میں اور صحت کو بہتر بنانے میں کام کر سکتے ہیں تو اس میں کیجیے. جو کچھ بھی آپ کر سکتے ہیں آپ کیجیے. اصل معاملہ جو ہے وہ یہ ہے. وقت تو بہت گذر چکا ہے، حالات بہت نازک ہیں اب سیاہ وسفید کا زمانہ تو گیا، اب تو ہر چیز کم دوری یا زیادہ دوری کی ہوتی ہے تو معاملہ جو ہے وہ یہ ہے کہ اس وقت حالات خاصے خراب ہیں، اور ان حالات کی خرابی میں صرف اکثریت ذمہ دار نہیں، ہماری آپ کی بھی ذمہ داری ہے، ہم سب کی ذمہ داری ہے، اس لیے قیادت کسی کو مت دیجئے کہ کوئی غیب سے آئے گا ؎

از غیب تو آید و کارے بکند   اے سوار اشغب دوراں بیا

ہر شخص کو اپنے دور پر اپنے اس نقطہ نظر کے مطابق کام کرنا ہے، اور اپنا جائزہ لینا ہے کہ سال بھر میں اس نے کیا کیا. پھر خاص طور پر جو توجہ کی گئی تعلیم کی ترقی کی، تعلیم کے سلسلے میں ہمارا فرض یہ ہے کہ مقصدی تعلیم بنائیں، یعنی مطلب یہ ہے کہ پرائمری اسکول میں جو تعلیم ہے وہ اس لئے نہیں ہے کہ باہر سے جا کر Unemployed گریجویٹ پیدا کریں، بلکہ اس کی بنیاد ایسی ہونی چاہیئے کہ جس میں گاندھی جی کے نقطہ نظر سے مدد ہو سکتی ہے کہ ان کے پیشے کے لئے ہو. کشمیر میں میں نے دیکھا ہے، شیخ عبداللہ صاحب سے میں نے کہا اس کے جہاں صاحب سے میں نے کہا، وہاں حالت یہ ہے کہ ایک کشمیری پنڈت کا بچہ ایسا نہیں جو اسکول نہ جاتا ہو لیکن جو مانجھی ہیں یا اور لوگ ہیں وہ اپنے کام کی وجہ سے چونکہ وہاں قالین بافی کا کام ہوتا ہے، قالین بافی کے سلسلے میں ہوتا یہ ہے کہ ایک اسکوائر انچ میں، دو ہزار گانٹھیں ہوتی ہیں. ان دو ہزار گانٹھوں کے سلسلے میں مردوں کے ہاتھ بے کار ہیں، عورتوں کے ہاتھ بہتر ہیں، سب سے اچھے بچوں کے ہاتھ ہیں. ہم کہتے ہیں کہ بھائی گاندھی جی کے طور پر آپ کرافٹ اسکول کھولیئے ان سے اسکول میں کام بھی لیجئے، لیکن تعلیم تو ہو کوئی اب تو ———

Marfat.com

تین روپے چار روپے کی خاطر کرتے ہیں تو اقتصادی مسئلے کو آپ نظرانداز نہیں کر سکتے۔ لیکن یہ کر سکتے ہیں کہ ان علاقوں میں جہاں ایسے لوگ ہیں ان کی تعلیم آپ کر سکتے ہیں، اس طرح سے ہو ——— پھر اس کے علاوہ ایک بات اور میں آپ سے عرض کر دوں کہ اردو ہندستان کی قومی زبان ہے، اور وہ مشترک زبان ہے صرف مسلمانوں کی زبان نہیں ہے؛ ہوا یہ کہ کسی ہندو راوی کے تحت اب بعض حلقوں سے یہ آواز اٹھ رہی ہے کہ صاحب اردو تو مسلمانوں کی زبان ہے۔

عابد رضا بیدار:

اور اس سے پہلے یہ بات نوٹ کرلی جائے۔ بہت اچھی باتیں سامنے آگئی ہیں کہ Civil liberties کے سلسلے کی جو جماعتیں بنی ہوئی ہیں، ان کے ساتھ یا کوئی اور جماعت ایسی بنے یہ بہت ضروری ہے۔ غیر سیاسی سطح پر یہ گفتگو جاری رہنی چاہیئے، اور پہلی بات Interaction والی، تا کہ گفتگو میں آسانی ہو یہ خلاصہ ضرور ذہن میں رہنی چاہیئے۔

جناب معزالدین احمد

سماج کی حالت بالکل ہی تاریک ہو چکی ہے، مثلاً تعلیم کے بارے میں کتنے اسکول کھل رہے ہیں اس شہر میں اور دلی میں جگہ جگہ گھر اسکول ہیں لڑکوں اور لڑکیوں کے ظاہر ہے کہ اسکول کھل رہے ہیں۔ سنہ ۴۸ء میں کچھ نہیں تھا اب جا کر میں گھر سے باہر پاس اپنے دیکھتا ہوں تو یہ شکل ہے کہ مسلمان بیدار ہو رہے ہیں اور لیڈر شپ کی ضرورت ہے کوئی شخص اگر ان کو مشورے دے تو بہت اچھا دوسرے یہ جو خیال ہے کہ پولس میں مسلمان پچاس فیصد ہی چلے جائیں گے، تو کچھ حالت بہتر ہو جائیگی یہ نہیں ہے۔ یہ جو فسادات ہیں ان کی بنیاد ایڈمنسٹریشن کی خواہشات کے ادپر نہیں ہے، بلکہ یہ تو ہندو سوسائٹی کے اندرونی کشمکش کی بنا پر ہے ـــ اور آر۔ ایس۔ ایس نے اس کو برسوں سنہ ۲۵ء سے یہ بیج بو رہی ہے، مولنا سید سلیمان ندوی نے لکھا تھا کہ ایک ہندستان کی تاریخ مرتب کی جارہی ہے اور اس کو کسی دلیل کی ضرورت نہیں، بس صرف مرتب ہو رہی ہے۔ اور اس کے تحت آئندہ تعلیم ہوگی۔ چنانچہ وہ ہوا اب آپ اس کو تبدیل نہیں کر سکتے۔ آپ نے کو تاریخ کے بارے میں جو کہا ہے وہ بہت صحیح ہے۔ بہت اچھا ہے اگر وہ چھپے، لیکن جب تک گورنمنٹ اس کو Takeup نہ کرے اور یہ گورنمنٹ کی خواہش نہ ہو کہ ہندستان کے اندر امن ہو اور یہ فرقہ وارانہ فسادات نہ ہو، تو اس وقت تک کچھ نہیں ہوگا! گورنمنٹ خود اس میں Involved ہے اور بالکل

Marfat.com

Indefinite ہے اس معاملے سے ۔

ڈاکٹر اقبال انصاری، فرنگی محلی :۔

مجھے کچھ زیادہ نہیں کہنا ہے اور میرا خیال ہے کہ مرے ہمنام نے جو وقت لے لیا ہے اس کی میں کسی حد تک تلافی کردوں ۔ میرا اپنا خیال یہ ہے کہ نشستند، گفتند اور برخواستند۔ زیادہ طویل گفتگو سے کوئی حاصل نہیں، سید حامد صاحب نے جس خلوص کے ساتھ تین باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے، اگر ہم اپنی جدوجہد کو تین باتوں کی طرف محدود کریں اور مذہبی تعصب کو چھوڑ کر مذہبی فراخدلی سے کام لیں اور ہم اپنے مذہب ہی تک اپنے کو محدود نہ رکھیں بلکہ دوسروں کے مذہب کا بھی ہم مطالعہ کریں، اور ان چیزوں کو ہم تلاش کریں جو باہم مشترک ہیں، اور اسطرح مذہبی رواداری کے لیے فضا پیدا کریں تو میرا اپنا خیال یہ ہے کہ یہ جو تعصب کی موجودہ فضا ہے رفتہ رفتہ کم ہو جائیگی۔

دوسری بات، ہمیں اپنے کو الگ نہیں رکھنا چاہئے۔ ہمیں ہندستان کا ایک جز سمجھ کے اکثریت کے ساتھ اپنے تعلقات جتنے زیادہ سے زیادہ ہوں، ان کو وسیع کرنا چاہئے۔ اور اس میں ہمارے مسائل کا حل ہے۔

جیسا کہ اس وقت میرٹھ کے فسادات میں ہوا، جتنا کے مسلمانوں نے لکھا اس سے زیادہ ہندو صحافیوں نے زیادہ کھل کر اور زیادہ باتیں کہیں۔ اگر ہم عقائد کو ان کے سامنے رکھیں، تو فراخدل ایسے اشخاص بھی ہمارے قریب آسکتے ہیں۔ اور اگر صحافت کے تعصب کا رنگ دھیرے دھیرے ختم ہو جائیگا۔ لیکن فی الحال ہمارے دائرہ کار اسی تین تک محدود کر کے انہی کا پائیدار اور مستقل مسئلے کا حل تلاش کر کے اس کے اوپر عمل پیرا ہونا چاہیئے باقی مسائل تو رفتہ رفتہ خود حل ہو جائیں گے۔ اگر ہم اپنا دائرہ کار ابھی سے بہت وسیع کرلیں گے تو شاید ہم کچھ بھی نہیں کرسکیں گے۔

ڈاکٹر فصیح احمد صدیقی :۔

جناب والا! یہ اس سلسلے میں ایک نئی بات کہنی ہے ہو سکتا ہے یہ کچھ لوگوں کو زیادہ پسند نہ آئے۔ مسئلہ یہ ہے کہ ہندستان سنہ ۴۷ء میں آزاد ہوا، ہندوؤں کو حکومت ملی۔ اور اگر گری لال جین اس کے چالیس برس بعد یا اس طرح کے اور دوسرے حضرات اپنے ہندستان کے ماضی کو واپس لانے میں لگے ہوئے ہیں تو یہاں کی مائینورٹی نے، جس نے تقریباً دس برس میں تیس سے ۴۷ء تک سترہ برس میں اپنے ایک نئے ملک کی جدوجہد کی تو وہ ایسی کون سی بڑی بات ہے، وہ اپنے ماضی کا نقطۂ نظر۔ گری لال جین نے تین چیزیں اپنے سامنے رکھیں۔ اس کے بعد تین آدمی اور سامنے آئے، اس کو اگر آپ دیکھیں گے تو آپ گری لال جین کے آرٹکل کو برانہ

Marfat.com

سمجھیں گے کہ کم از کم اس نے سرسید اردو، اور کم از کم آٹھ سو برس یا ایک ہزار برس کی مسلم تاریخ کا تذکرہ تو کیا۔ آپ خود سے ان مضامین کو دیکھئے، تو اس میں آپ پائیں گے کہ کسی صورت سے کہیں بھی Muslim influence یہاں دور دور تک اثر نہیں ہے اور کوشش اس بات کی ہے کہ ان بارہ سو سال کی خصوصیت کو بالکل ختم کر دیا جائے۔ میرا یہ سوال ہے سید حامد صاحب سے اور جناب سید ہاشم صاحب سے کہ کیا کبھی ان مسئلوں پر بھی سوچا جائے گا کہ آخر یہاں کا ہندو Justified اس بات کے لیے ہے یا نہیں۔ کہ وہ اپنے Past جو گری لال جین کا Past ہے جو پنڈت جی کا Past ہے جو گرو گولوالکر کا Past ہے جو مولانا آزاد کا Past نہیں ہے، جو مولانا حسین احمد صاحب کا Past نہیں ہے وہ یہاں کیسے منظور کرے۔ اس مسئلے میں جہاں، پٹنے میں سیمینار ہو، علی گڑھ میں تیس برس سے سیمینار ہو رہے ہیں؛ جامعہ ملیہ میں سیمینار ہوگا۔ ہر آدمی اپنا اپنا مقالہ لیکر آئے گا، لیکن کبھی اس بات کی طرف توجہ نہیں ہوگی کہ آخر ان بارہ پندرہ سو برس کے بعد اس ملک میں رہنے بسنے والوں کو اپنی زندگی گذارنے کا حق ملا ہے، وہ حق ان کو آٹھ سو برس میں نہیں ملا تھا، تو تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر گری لال جین اور ان کے ساتھی نئے لکھنے والے اس بات پر اصرار کرتے ہیں کہ ہم سرسید تحریک کو یا افغانی کو یا سید احمد شہیدؒ کو یا اسی طرح کے لوگوں کو سامنے نہ لائیں ... یا اس طرح کی باتیں جو سامنے لاتے ہیں تو ان میں ایسی قباحت کیا ہے، جب ہندستان تقسیم ہو رہا تھا، مسلمانوں نے یہاں یہ کیا کہ اپنا ایک ملک۔

(ب) ہاں تو ہم یہ سمجھ گئے کہ گری لال جین اپنی جگہ پر Justified ہیں۔ نہیں نہیں آپ طنز کے ساتھ کہہ رہے ہیں یا صحیح کہہ رہے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ آپ مسئلے کو صرف پوز کر دیجئے، بات سمجھ میں آگئی۔

مجھے یہ خیال ہے کہ آخر گری لال جین کو اس بات کا کیوں حق نہیں ہے کہ وہ اپنی بات کو سامنے لائے بات کو اپنا پاس ہیں۔ ایران کا عرب کا پاس ہے، بخارا کا پاس ہے، سامنے آپ لائیں، یعنی خلافت موومنٹ آپ بنائیں اور یہ شعر پڑھیں۔

بولی اماں محمد علی کی   جان بیٹا خلافت پہ دیدو

سنہ ۲۶/۱۹۲۴ میں آپ خلافت موومنٹ دیکھئے۔ تو کیا گری لال جین کو اس بات کی اجازت

نہیں ہوگی ۔ میرا تو یہ خیال ہے کہ دوسرا نقطۂ نظر بھی سمجھنا چاہیئے، اور یہ کوشش چاہیئے کہ ان مسئلوں کو ان کی لائف میں شامل کیا جانا چاہیئے ۔

ڈاکٹر سلیم محمد خاں:

مجھے فصیح احمد صدیقی صاحب کی بہت پر جوش اور بہت پر جذبہ تقریر کی تردید نہیں کرنی ہے ۔ اگرچہ میں ان سے بالکل متفق نہیں ہوں ۔

میں دوسرے مسئلے کے بارے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں ۔ وہ یہ ہے کہ صبح میں سید حامد صاحب نے یہ فرمایا تھا کہ مسلمانوں کو تین طریقے اختیار کرنے ہیں ۔ پہلا اپنے کلچر کو باقی رکھنا ہے ۔ یہاں کے برادرانِ وطن کے ساتھ مل جل کر رہنا ہے اور بہت محنت کرنی ہے ، پوری محنت کرنا ہے اور آگے بڑھنا ہے ۔ یہ تینوں طریقے اپنی جگہ پر اہم ہیں ، لیکن مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت دونوں میں خاص طور پر اپنی ثقافت کو باقی رکھیں اپنی Identity کو باقی رکھیں ، اور یہاں آگے بڑھیں ، ان میں مجھے تضاد نظر آتا ہے ۔ کوئی منطقی تضاد نہیں ، لیکن حالات کی وجہ سے تضاد پیدا ہو رہا ہے ، اس کی وجہ گرجی لال جین جیسے لوگ ہیں اور ان کے پیچھے جتنے لوگ ہیں ۔

یہ ہندستان میں مسلمانوں کی آئیڈنٹٹی ان کا وجود ہی کو برداشت کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں اور یہ بات گرجی لال جین کے حالیہ مضمون سے واضح ہو جاتی ہے ۔ جب کوئی شخص کسی مائنوریٹی کی آئڈنٹٹی کو برداشت کرنے کیلئے تیار نہیں ہے ، اور جب وہ اپنی آرٹکل میں یہ کہتا ہے کہ ــــ " ہندستان میں تو قومیت اس لیے نہیں بن سکی کہ مسلمانوں کو اپنی آئیڈنٹٹی کے قائم رکھنے پر ہمیشہ اصرار رہا " یہ انتہائی خطرناک بات ہے ۔ اور یہ انتہائی فاشسٹ ذہنیت کی علامت ہے ۔ اس کو ختم ہونا چاہیئے ۔ میں ، مردہ ذہنیت کا شکار نہیں ہوں ۔

میں ہندستان میں اپنے آپ کو یہاں کا دوسرے کے مقابلے میں بالکل برابر کا شہری سمجھتا ہوں کسی زاوئے سے بھی پیچھے نہیں ہوں لیکن اگر کچھ لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ ان لوگوں کو اپنے Past سے جدا کرنا ہے اور میں جانتا ہوں کہ اگر وہ پاکستان کو Follow کر رہے ہیں ، کسی اسلامی کنٹری کو Follow کر رہے ہیں تو ہندستان کے Constitution اور ہندستان کے ذہن اور تہذیب کے لحاظ سے ایک Civilized سوسائٹی کے لحاظ سے غلط ہے ۔ پاکستان ان کے لیے نمونہ نہیں ہے اور ہمارے لئے

Marfat.com

بھی نمونہ نہیں ہے۔ مسلمانوں کیلئے بھی نمونہ نہیں ہے۔ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہندستان میں میجورٹی کے اندر گھرے ہوئے ہیں لہٰذا اس قسم کی باتیں کر رہے ہیں ہم، کہ آپ اردو کا نام لے رہے ہیں، تہذیب کا نام لے رہے ہیں اور اسی قسم کی باتیں کر رہے ہیں لیکن میں پوچھتا ہوں کہ یہی تہذیب ہے، اور باقی سب غیر مہذب طریقہ ہے؟ فاشسزم ہے، اس کو ختم ہونا چاہئے۔

ڈاکٹر اقتدار حسین صدیقی

جناب والا! مسلمانوں کے درپیش مسائل کے سلسلے میں دو باتیں اختصار کے ساتھ میں عرض کرونگا۔

پہلا مسئلہ جو ہے کہ، ہندو مسلمانوں کے درمیان ہے صورتحال یہ ہے کہ ہندو یہ سمجھتا ہے کہ مسلمان جمہوریت کے قابل نہیں ہے، وہ جتنے حقوق دیئے گئے ہیں ان سے ناجائز فائدہ اٹھا رہا ہے۔ وہ غیر مسلموں کو برداشت نہیں کر سکتا۔ مسلمانوں میں یہ احساس پیدا ہو رہا ہے کہ ہندو، وہ اس کے وجود کے خلاف ہے اس کا مستقبل بہت تاریک ہے، اس سلسلے میں، میں یہ عرض کروں گا کہ مسلم دانشوروں کو، اکابر ملت کو یہ چاہئے کہ وہ مسلمانوں کو بتائیں کہ وہ ہندوؤں کا اعتماد حاصل کریں۔ بہت سے طریقے ہو سکتے ہیں، میں تفصیل میں جانا نہیں چاہتا ہوں۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ فسادات کی جو شکل ہے وہ بہت خطرناک ہوتی جا رہی ہے۔ میری بھی مسلم دانشوروں سے گفتگو ہوئی، کچھ لیڈروں سے گفتگو ہوئی، سب کا خیال یہ ہے کہ گجرات میں، یو۔پی میں اور دہلی میں جو فسادات ہوئے، فسادات میں Peace keeping فورسز کا جو رول رہا ہے، اسکا باعث کانگریس گورنمنٹ کا پریکٹیکل کمیونلزم ہے،

میں یہ سمجھتا ہوں کہ اب مسلمان WIDE ہوں، انھیں چاہئے کہ دوسرے جو سیکولر ہندو لیڈرز ہیں اور کمیونل لیڈرز ہیں، ان سے گفتگو کی جائے، ان سے کہا جائے کہ آپ ذمہ داری لیں۔ — کہ مسلمانوں کا مستقبل کس طرح سے روشن ہو سکتا ہے، یا مسلمانوں کا وجود جو ہے وہ کس طرح سے قائم رہ سکتا ہے۔ مسلمان کس طرح محفوظ رہ سکتے ہیں تو اگر اس طرح کا ایک ڈائیلاگ شروع ہو تو ممکن ہے کسی مسئلے پر اور کسی حد پر پہنچ جائیں۔

جناب مہدی انصاری

مجھے صرف یہ عرض کرنا ہے، میں اپنے آپ کو بہت محدود رکھنا چاہتا ہوں، صرف فسادات کے

Marfat.com

مسائل میں —— اور اس سلسلے میں مجھے جو اس تجویز سے کوئی اختلاف نہیں جو سید حامد صاحب نے پیش کی کہ پولس اور آرمڈ فورسیز جو ہیں اس میں مسلمانوں کی بھی نمائندگی ہونی چاہیئے، مگر میں سمجھتا ہوں کہ یہ واقعی حل نہیں ہے۔ مسئلہ فرقہ وارانہ فسادات کا ہے۔ مسئلہ پولس کی زیادتیوں کا بھی ہے مگر اتنا نہیں جتنا فرقہ وارانہ فسادات کا ہے۔ کیونکہ پولس کی زیادتی اس وقت شروع ہوتی ہے، جب فساد پھیل جاتا ہے۔ ہمیں سوچنا یہ ہے کہ فسادات ہوتے کیوں ہیں اور اس کو روکنے کے کون سے ذرائع ہو سکتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان فسادات کے پیچھے جو اس وقت سب سے بڑی ذہنیت ہے وہ ہے فرقہ واریت کی۔ وہ چاہے مسلمان کی ہو، چاہے ہندوؤں کی۔ ہندستان میں فرقہ واریت کی جڑیں گہری سے گہری ہوتی جارہی ہیں، ہم کو ان جڑوں کو اکھاڑنا ہے اور اس کا طریقہ میری نظر میں یہ ہے کہ بحیثیت مسلمان ہم کو یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ ہر ہندو فرقہ پرست ہے۔ ہندوؤں میں خاص طور پر میں ہندو کہہ رہا ہوں غیر مسلم نہیں، کیونکہ غیر مسلم میں سکھ اور عیسائی بھی ہیں۔ اکثریت ہندوؤں کی ہے۔ اور اکثریتی فرقہ پرستی جو ہوتی ہے وہ ملک کے لیے سب سے زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔ ہم کو اگر اپنی بات کو بڑھانا ہے تو سب سے پہلے اپنے مسلمانوں میں جو فرقہ وارانہ ذہنیت ہے، اس کو پس پشت ڈالنا ہوگا۔ اور ہندوؤں میں جو سیکولر ذہنیت ہے ان کے ہاتھ کو مضبوط کرنا ہوگا۔ اور اس کے لیے ہمیں کوشش کرنا چاہیئے۔ ان کے بغیر ہم فرقہ وارانہ فساد کو روک نہیں سکیں گے۔

جناب حبیب الرحمٰن چغتائی

میں صرف دو باتوں کی طرف اشارہ کرنا چاہوں گا۔ پہلی بات ملّی تشخص، دوسری بات مسلمانوں کے جان و مال کا تحفظ۔ سید حامد صاحب نے جیسا کہ فرمایا تھا کہ پہلی بات کہ مسلمان اپنی ثقافت اپنی زبان اور دوسری چیزوں کو باقی رکھے اور پھر یہ کہ اکثریت سے کئی گنا زیادہ کام کرے اور اس اکثریت سے ایک تال میل بھی رکھے تو پہلا پوائنٹ جو سید حامد نے رکھا تھا، ملّی تشخص اور اس میں، زیادہ بُعد نہیں معلوم ہوتا ہے تو ملّی تشخص بے حد ضروری ہے جب تک ہمیں بحیثیت مسلمان نہ جانیں۔ اس میں تفریق نہیں ہے کہ ہم فرق کر رہے ہے ہندو مسلمان ہر قوم اپنی آئیڈنٹیٹی برقرار رکھے اس کے بعد ہمیں کوشش کرنا چاہیے تو ملّی تشخص کا معاملہ بہت اہم ہے اور اس پر ہمیں سوچنا چاہیے کہ کسطرح

Marfat.com

ہم اپنے آپ کو پہچنوا سکیں، لوگ جانیں کہ ہم مسلمان ہیں جو ہماری اپنی خصوصیات ہیں جو ہمارا اخلاق اور کردار اور دوسری صفات ہیں وہ بھی ہم میں جلوہ گر ہونا چاہیے۔ تو یہ چیز بہت اہم ہے کہ ہم جو مسلمان خود کو کہتے ہیں تو یہ ثابت کر سکیں کہ مسلمانوں کی کیا خوبیاں اور کیا اوصاف ہیں وہ ہم میں نمایاں طور پر ہونے چاہئیں۔

دوسری بات مسلمانوں کی جان اور مال کا تحفظ، جس میں یہ فرقہ وارانہ فسادات بھی آتے ہیں۔ مجھے خود اس بار موقع ملا میرٹھ جانے کا اور جو متاثرہ علاقے ہیں ان کو دیکھا اور متاثر اشخاص سے بھی ملنے کا موقع ملا جو ابھی اقبال انصاری صاحب حوالہ دیا اس لڑکے کا جس کا نام عثمان ہے جو پی۔ اے۔ سی کی گولی کا شکار ہوا اور زندہ بچ گیا، اس سے بھی میری کافی دیر گفتگو رہی۔ کہنا یہ ہے کہ اس طرح کے فرقہ وارانہ فسادات ہوتے ہی رہتے ہیں اور ہم سب واقف ہیں اور یہ ایک معمولی سی بات ہو کر رہ گئی ہے اور اکثر یہ بھی ہوا ہے کہ فرقہ وارانہ فسادات جہاں ہوتے ہیں، دوسرے لوگ ان سے متاثر بھی نہیں ہوتے۔ ان کو زیادہ پرواہ بھی نہیں ہوتی۔ یہ تو ایک معمول ہمارا بن گیا ہے۔ یہ تو ہوتا ہی رہتا ہے لیکن جو لوگ متاثر ہو جاتے ہیں ان کی کچھ دوسری نفسیات ہو جاتی ہے، اور جو ان سے ملیں، ان پر اس کا کافی اثر ہوتا ہے وہاں کے لوگوں سے ملنے سے۔ اس میں دو رائیں نہیں ہیں۔ جیسا کہ صحافیوں نے لکھا اور کھل کر لکھا اور غیر مسلم صحافیوں نے بھی لکھا ہے اس پر کہ اس میں بلاشبہ پی۔ اے۔ سی کا زبردست ہاتھ تھا اور اگر یہ کہا جائے کہ مقامی ایڈمنسٹریشن کی تائید و توثیق اس کو حاصل تھی تو بیجا نہ ہوگا۔ سید حامد صاحب نے جو حل رکھا ہے، اس سے اتفاق کیا جا سکتا ہے کہ پارلیمنٹری یا پی۔ اے۔ سی یا دوسری پولس فورسیز میں مسلمانوں کا Ratio بڑھنا چاہیے۔ لیکن صرف یہی ایک حل نہیں ہو سکتا اس کے علاوہ ہمیں یہ بھی سوچنا پڑے گا کہ جب حکومت کا اس میں ہاتھ ہو تو حکومت کو ہم کیوں نہیں Pressurise کریں۔ وہ کیا طریقہ ہو کہ وہ بھی ہمارا ساتھ دیں، کیوں کہ یہ صرف ہم اپنے لیول پر نہیں کر سکتے ہیں جب تک کہ حکومت کا ہمارے ساتھ تعاون نہ ہو۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ جو اکثریت ہے اور جو دوسری اقوام ہیں ان کا بھی پورا تعاون ہمیں حاصل ہونا چاہیے۔

پروفیسر مسعود الحسن

مسلمانوں میں جہالت ہے، ہمارے مسائل یہ ہیں کہ تعلیم کا اسٹنڈرڈ ہم کیسے بڑھائیں اور یہ کہ مسلمانوں کو جان اور مال کا تحفظ کیسے دیں۔ مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد Below the poverty line ہے،

تو ان میں اگر ہم جہالت کو دور کرنا چاہتے ہیں تو تعلیمی معیار پھر کیسے بڑھے گا، تعلیمی معیار کا مقصد ہم سمجھتے ہیں کہ پبلک اسکول علیگڑھ یا پبلک اسکول لیڈی فاطمہ ہے، ان میں تعلیم دلانے کو سب کا جی چاہتا ہے، مگر مسلمان جو Below poverty line ہے، جس کے پاس اتنا پیسہ بھی نہیں ہے کہ وہ زندگی کی جو کم از کم ضروریات ہیں، ان کے اخراجات کو بھی پورا کر سکے تو تعلیمی معیار ہم کیسے پورا کر سکتے ہیں، میں ایک مثال آپکے سامنے پیش کرتا ہوں۔ ہماری مادر درسگاہ میں جو داخلے کے فارم ہیں ان کے اوپر کچھ Concessions ہیں۔ مثال کے طور پر ڈونرس کے لیے اولڈ بوائز کے طلبار کے لیے ہیں، ایمپلائی کے طلبا کے لیے ہیں، وہ مسلمان جو Below of poverty line ہیں کیا ان کے والدین دونوں ہو سکتے ہیں، ایمپلائی ہو سکتے ہیں، یہاں کے اولڈ بوائے ہو سکتے ہیں، تو میں محترم وائس چانسلر صاحب کی توجہ اس طرف بھی دلانا چاہونگا کہ کچھ اس پر بھی غور فرمائیں اور اس پر اساتذہ اور اکیڈمک کاؤنسل وغیرہ میں ووٹ لیں اور گفتگو کریں کہ اگر ہم مسلمانوں کے تعلیمی مسائل حل کرنا چاہتے ہیں تو ہم ان کے لیے کیا کر سکتے ہیں، تو کچھ نہ کچھ Concession ان کے لیے ہونا چاہیے۔

تیسرا مسئلہ مسلمانوں کی جان اور مال کے تحفظ کا مسئلہ ہے جس کا ڈائرکٹ تعلق تشدد سے ہے جو ہم بار بار دیکھ رہے ہیں، یہ بات واضح طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ جب سے ہم نے ہوش سنبھالا ہے، ہم بار بار دیکھتے آئے ہیں، میرٹھ کا واقعہ ہمارے سامنے کوئی نیا نہیں ہے۔ رانچی، جبل پور، علیگڑھ میں ہمارے سامنے بھی یہی مثال نظر آتے ہیں اور اس طرح کے مسائل آ رہے ہیں تو اس کا حل یہ ضرور نظر آتا ہے کہ جب تک مسلمانوں کی تعداد پی۔ اے۔ سی میں نہیں ہوگی، یعنی جن کو سمجھا جاتا ہے کہ جان اور مال کا تحفظ کرتی ہیں تو ابھی جو ۵۲ بٹالین میں Recruitment ہونے والا ہے تو ہم لوگوں میں جب تک کچھ لوگ اس طرح کے Dedicated ٹائپ کے لوگ نہیں ہوں گے جو دیہاتوں میں نکلیں، قوم کے سامنے جائیں ان کو سمجھائیں کہ ہمارے یہ مسائل ہیں، اور مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ تمام جو پی۔ اے۔ سی۔ وغیرہ ہیں، اس میں Recruitment ہوں تو صرف وہ مسلمانوں کی خاطر ایسا کریں، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے حق میں نہیں ہے، یعنی وہ اس کو پسند نہیں کرتے ہیں، لیکن اپنے مسلمان بھائیوں کی خاطر کریں۔

دوسری طرف اس سلسلے میں یہ بھی عرض کرنا چاہوں گا کہ بہرحال ان کو شبہ نہ کیا جائے کہ اس

Marfat.com

ملک میں مختلف زبانوں اور مختلف مذاہب کے لوگ رہتے ہیں، میں ہمیشہ دیکھتا آیا ہوں یہ افسوس کی بات ہے کہ دو قومیں ہیں، مان لیجیے، مثال کے طور پر ہندو اور مسلمان ہیں، میں دیکھتا ہوں کہ اگر ایک ہندو مذہبی ہے اور مسلمان مذہبی ہے اگر ایک ہندو، مان لیجیے بہت ٹوٹا ہوا ہے ، بہت بال وال بڑھے ہیں بالکل سادھو بنا جا رہا ہے تو مسلمان یہی کہے گا کہ صاحب یہ تو خود ہی آر۔ ایس۔ ایس کا آدمی ہے، اسی طرح سے مسلمان کہتا ہے جبکہ اگر دو آدمی آپس میں مذہبی ہیں، ان میں آپس میں بڑی محبت ہونی چاہیے۔ مقصد میرے کہنے کا یہ ہے کہ یہاں پر سب لوگ رہیں گے مسلمان بھی رہیں گے، ہندو بھی رہیں گے، سکھ بھی رہیں گے عیسائی بھی رہیں گے، ہم سب کو مل جل کر کے چلنا ہے، اگر ہم یہ سوچیں کہ صاحب ہندو خراب ہیں، ہندو یہ سوچیں کہ مسلمان خراب ہیں، یہ تو کوئی حل نہیں۔ اس کے لیے ہمیں یہ چاہیے کہ جیسے ______ National Integration Council بنی ہوئی ہے، ہمیں افسوس ہے کہ مسلمان کے نمائندے جو منسٹرس ہیں جو National Integration Council میں ہیں، یا تو وہ وہاں صرف بیٹھے رہتے ہیں یا تو وہ ڈرتے ہیں، حالانکہ سیکولر سماج میں ڈرنے کی بالکل ضرورت نہیں ہے، میں مسلمان ہوں لیکن ہندستان کا شہری ہوں، میں بالکل نہیں ڈرتا ہوں۔ کسی ہندو سے بھی نہیں ڈرتا ہوں یا کسی جگہ بھی نہیں ڈرتا ہوں، چاہے کیمونل ہو، میں ہندستان کا شہری ہوں، اور رہوں گا اور جو میرے حقوق ہیں اس کے لیے لڑتا رہوں گا۔ تو اس لیے ہم لوگوں کو چاہیے کہ جو ہمارے حقوق ہوں ان کو جائز طریقے سے حل کرنے کی کوشش کریں۔

مسز سنگھ

... پورا Discussion میں نے سنا اور جہاں تک مسلم کیمونیٹی کے مسائل کا سوال ہے تو خود دلچسپی میری بھی ہے، پچھلے بارہ پندرہ سالوں سے میرا بھی اس طریقے کا ریسرچ ورک چل رہا ہے وغیرہ، رپورٹ وغیرہ بھی تیار کی ہیں Surveys جن سے میری خاص دلچسپی تھی ______ ______ یہاں پر تھوڑی سی اپنی رائے بھی ظاہر کروں مجھے اس بات کی بہت خوشی ہے کہ زیادہ تر جو Suggestions دیئے گئے وہ Positive تھے اور مسلم کیمونیٹی کے سیکورٹی کا جو سوال ہے اس پر میں زیادہ اپنی بات کرنا چاہوں گی، ایک بات مہدی انصاری صاحب یا

Marfat.com

افتخار عالم صاحب نے کہی، ان کی رائے سے میں اتفاق کرتی ہوں کہ موڈرن ایجوکیشن سے اس کا رابطہ ہو سکتا ہے اور اس سلسلے میں کچھ اور بات عرض کرنا چاہوں گی کہ موڈرن ایجوکیشن، سائنس ایجوکیشن ٹکنیکل ایجوکیشن کے ساتھ ساتھ ایک چیز اور ضروری ہے اور وہ ہے ایک سائنٹفک Attitude ڈیولپ کرنے کی۔ میرا اپنا تجربہ یہ ہے کہ سائنس سبجکٹ کے لوگ جو ہیں چاہے وہ میڈیکل کے ہوں، چاہے وہ انجینرنگ کے ہوں اور دوسرے اور برانچز کے ہوں وہ سوچیں اپنے Level پر یا جو سوچنے کا ایک لیول ہوتا ہے، بیکورڈنس ہے، اور یہ صرف ایک کمیونیٹی کی بات نہیں ہے بلکہ ایک جنرل بات ہے کہ ہم ایک Scientific attitude نہیں ڈیولپ کر سکتے اور یہ بات یہاں پر اس لیے بھی کرنا چاہوں گی کہ اور کمیونیٹیز کا جہاں تک سوال ہے، اس میں تھوڑا اپنی چیزوں سے ہٹ کر سوچنے کی گنجائش ہے

لیکن مسلم انٹلیکچول جو آتے ہیں جو کہ اپنی پارٹی کمیونیٹی کو راستہ دکھا سکتا ہے، ان کی رہنمائی کر سکتا ہے، اس میں سب سے بڑی پرولم یہ ہے کہ ان میں Contradictions ہیں۔ ہم صحیح پرابلمس پر آتے ہیں ہم صحیح نبض پکڑتے ہیں لیکن جب Solution کی بات کرتے ہیں تو وہ سولوشن کی بات کرتے کرتے ایک کنفیوژن ہوتا ہے اور Contradictions کے شکار ہو جاتے ہیں تو میرا اپنا سوچنا یہ ہے کہ جب ہم ایک Scientific Attitude ڈیولپ کرتے ہیں تو اس کے ساتھ ساتھ ہمارا جو ایک ضابطہ ہوتا ہے، ہماری جو بلیف ہیں، ہماری لیڈرس پر جو بلیف ہیں، ہمارے سنسکار ہیں ان سے ہمارا آمنا سامنا ہوتا ہے اور وہ چیز ہمیں پریشان کرنے والی ہوتی ہے، تھوڑی سی خطرناک بھی ہوتی ہے تو پھر ہم اس سے Escape کرنے لگتے ہیں، اس سے بھاگنے لگتے ہیں۔ بجائے اس کے کہ ہم تدبر کر کے سوچیں اس کا مقابلہ کریں تو بھاگنے کی جو ہماری مجبوری ہو جاتی ہے اس سے وہ Contradictions پیدا ہوتی ہیں اور ہم، جو صحیح سولوشن ہیں اس پر جاتے جاتے convinced ہو جاتے ہیں میرے خیال میں ——… Scientific attitude ڈیولپ کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ اس بات پر، ہمیں مدد کرے گی کہ ہم صحیح طریقے سے ان پرابلمس کو حل کریں۔

Marfat.com

Dr. (Mrs.) Kishwar Shabbir Khan

The problems as have been pointed out in this seminar that I have found is consistent trend of discussion — problem, resolutions as it is for proceedings. There is ...considerable amount of being swayed by emotions. I think probably it would be better advice to abstain from being swayed by emotions, because, that leads to the kind of forgetting of reasoning. Now, so far as I am concerned I feel that one has got to properly catagorise the problems which are many and each problem is multi-dimensional. Problems are social, problems are educational, problems are relating to help, problems are relating to economics. Economic problems and employment problems, status of the unity in the quality. — problems are innumerable multi-dimensional and accordingly they require to be dealt with. Similarly the problems, they have the national level nature, state level nature, local level nature and accordingly the communication of these problems because they have to be identified properly and catagorised and then they have to be communicated to the relevant authorities whether it is national level that should be communicated to the policy makers level. It is as state level or the local level, the administrative authorities who have to be approached and I must admit it that personally I have found that to a great extent the community itself is responsible, there has been some reference made to the studies that have been carried on in the Aligarh Muslim University regarding the problems of the Muslim artisans of the selected industries in U.P. cities and there I have noted. The problem is basically economic and that is the genesis of the social problems, that is the genesis of communal feelings problems and that is the genesis of backwardness in education and that is the genesis of child labour. By the way I would like to mention that because of our studies, we have been able to identify at least some of these problems. For instance we have noted that in Firozabad the child labour is a serious problem. The problem of black-marketing of phone is a serious problem. Now what are the repercussions of these problems. The black marketing links to number of firms which interlinks to under employment of the labour which interlinks to low level of income, which interlinks to sending the children to earn when the industries are running. The problems are linked together. Now I did this problem to minister of industries small Industries and pointed out that this is the problem, you have to do something. Do something, to the rationalisation of quota of coal in Firozabad and then do something to the problem of child labour and probably there have been quite a number of raids in these units in these industries to find out as to what is happening to the children and they were asked to quit by the backdoor and so on. So we have to identify the problem and take them to the relevant levels. Similarly the intentions of the Government at many a times we find are very good and they too evolve policies which are not implemented properly. Say for instance a few moments ago Dr.Abdur Rahman was talking about the Brassware Corporation. Now I have given a report about U.P.Brassware Corporation because I have found that the intentions are good. Capitals have been provided by the Govt and the capacity to provide raw material production to produce raw material to extent of 800 .... ton per annum is there but the actual production has not even touched 60 million tons or 60 tons per annum. This is that

means something is lacking in the administrative level. That we have to take and point out that there is some thing got to be done at that particular level. So we have to see as to what extent the adminitration is responsible. Now I will come to one instance, as to how the community itself may be resposible for a sole backwardness of proprieting a bad impression about itself in the minds of that authorities in the minds of that administration. Now I am talking specifically of Gorakhpur where I went and discussed about these problems and I found that from 1973 onwards the Govt had taken steps to improve the condition of small artisans and they had given a number of schemes for providing small loans and the loans were given and in some mood radical frenzy, many promises were made that the interest payment will be done by the Govt of Uttar Pradesh. Now the Govt is slow to fulfil its promises that goes there and the artisans specially the weavers they took it many seriously and they stop paying the principle either and when the things came to very difficult situation and the bankers started issuing notices and started their action for proceedings, the Govt was alerted again, they were given a notice that you please pay of the principle by March 1986. They would not come up to the repayments. Now the painters are obviously in the right to prosecute the borrowers, the Govt is willing to make to stand the principle, the interest payment on their behalf but to quality for that interest of payment by the Govt, artisans have to repay the principal amount. Somewhere they are not coming. In this process they are making the credit worthiness of the community as such doubtful in the eyes of the credit giving institutions. So our effort should be at least as a housewife, as a mother, my approach is always result oriented approach. I would like to know, whatever, little can do, with a positive result so whenever I have found these problems I have taken them to the relevant authorities directly I approach, for instance in Aligarh itself I identified 212 borrowers who needed money, whose credibility be established and whom we helped out with the help of Punjab National Bank in securing credits totalling 12 lakhs rupees and then we need monitoring also. It was not our work but we found that they were doing their work and they started repaying their loans which waS advanced to them. So the need is first of all to carry on micro-level stands and identify the problems of the individuals in the familiar and small levels and then see as to where these problems are to be taken for finding its solutions. If it is the community we have to tell them either directly or through the social work organization or through some teams. The mechanism will have to be worked out and then we have to make them realise that their old definitions are like here and you have to help yourselves and if it is the administration, we have to take them and if it is the national level of communication to the policy makers that of course will have to be taken care of by the leaders but one thing remains there that such micro level statics which will identify the dimensions of the problems. The nature of the problems that will indeed be strengthening our nation that this is where the action is needed and you have to do it, and if you do not do it then, we can say that you are not fulfilling the responsibility of supporting the citizens of this country. Such studies were carried on by....... Mr.Sidney & ..... in the united Kingdom, before the social security scheme was adopted in national level. Now I would like to conclude that we classify our approach as identification of the problems and (2) next, communication of these problems

Marfat.com

to the relevant level. (3) Suggestion of Action Plan, which is needed either by administration or policy level or by community itself (4) Helping through our some mechanism, the community and resolving these own problems. Because unless the community helps itself out, specially as Mr.Saiyed Hamid said in morning session that the efficiency of the community will have to be superior to the majority community if they have to make a place for themselves. Now this is gone out in the world by the example of Jews. Jews in the world have established their superiority by the hard work. You will find that all the greatest intellectuals are Jews in the united states. We are having great influence and the Congress because of their command of financial markets, trade, educational institutions and so on. So it is the efficiency that is got to be improved whether it is in the artisan level or the low level worker, educational level. Highest level of leadership, of course requires the highest level of efficiency and I think, with these words, I would like to conclude that it is imperative that we take the message to the right person. First we identify the problem and take the message to the right person.

Dr. Abdur Rahman Khan

Since long have been said about various problems concerning muslims here. I will confine myself to one or two issues. Firstly, I will say that poverty and ignorance are supplementary complementary to each other. I donot know whether it would be advisable to start with knowledge education or removal of poverty.

Secondly, my experience with such seminars, discussions regarding problems of muslims have been, that we have been discussing these problems almost all the time in isolation. We have no interaction with the majority community. I think a very good idea suggested by someone here is to have a meeting where people like top journalists including those who do not agree with our views who donot even agree with our existence in the country like Giri Lal Jain and Arun Shourie, they should be there and even people like broadminded people who have written very good articles in his country like Kuldeep Nayyar, Khushwant Singh and Keval Verma. They all should be invited and they should listen what are our talks when we are talking about the problems of muslims, what we fail to do so that we are talking about their problems in isolation as if muslims are living in total isolation from the Hindu Community which is not a fact. The problems are as Sayyid Hamid sb. pointed out this morning, we have taken certain ills from the Hindu Community like dowry system. We have adopted from them. This is a case of social interaction between Hindus & Muslims. Now this social interaction should be taken into account while we are taking the problems of the Muslims. I will try to build up.... from the Constitution of India and I can read our number of religions in the Constitution of India which guarantee some sort of protection or the other to the Muslims or the minorities. Article 15/4, article 16/4, article 338, article 340, article 347, I can go on reading it. The question which comes to my mind is that despite the effect that we have these provisions in the Constitution of the country what is it that has prevented their application even after 40 years of Independence. Now with all these provisions the riots continue to occur, disparities between different communities, because Muslim is the largest minority,

Marfat.com

therefore, we feel it more but the fact is that every minority whether they are Muslims or others, every minority feels equally, so why is it that it is going. I think in 1959 Pandit Nehru issued a confidential memo to officers regarding employment, where he said the secularism does not mean what we feel about the minorities. Secularism means what the minorities feel about it, that was in connection with employment and that was in 1959. In 1947 when partition took place, some of us might have seen the trauma of partition, the communal riots and all these that followed partition but I think that generation has already passed or there are people on the verge of retirement. The new generation has not even heard about the trauma with the Muslim Community which caused partition. The question is that these 40 years should have really brought in secularism in the country. What we see in 1987 is that we are going to rapid communalism. It is both from the majority side as well as the minority side. What are the factors which are causing this. This is something which is very important whenever there is a riot, whenever there is a communal confederation we have an enquiry and almost all these enquiry reports are never published. It is never brought out in public. Now this is a sort of measure to sway the feelings of one community temporarily. What are the reasons behind it, we donot go to the genesis of a communal riot. No comprehensive study as Sayyid Hamid sb. said has been done, we have got annual census from 1951, 61, 71, 81, they have not been printed we donot know what are the level of educations among the Muslims. No considered effort by the Governemnt has been made todate to find out the real status of Muslims. I remember of an incident when I went to survey Muradabad for handicrafts people there, Hamid sb. was also with us. When we went to survey the artisans in Muradabad then the managing director of the U.P. Brassware Corporation when he introduced as to the problem. He said the artisans are earning more than 100 rupees a day. They donot bother about work and this and that but when we took a survey by ourselves, when we went from lane to lane and house to house then the facts which were reported by years back in the next year meeting were totally different. Now I have got a report of a survey came by ..... about the Brassware Industries in Muradabad. I have got a report came by the ...... about the Benaras Industries, Sari Industries in Benaras. Now what you find out from those reports which become official documents of the Government. They are totally devoid of reality. Realities are totally different what I will like is that something should be done from our side. There is from the side of the University to impress upon the Government to carry out the complete detailed study of the minorities in general and Muslims in particular. What are the problems what are the genesis of the problem, what are thier socio-economic problem. What is their social status etc. so that we should not as Hamid Sb. said this morning, when he said, we are so educationally backward we donot have any data to support it. I think Prof.Gopinath has brought out a report sometime back. Prof.Gopal Krishna at Bhopal, where he said what Hamid sb. said this morning that we are educationally, academically in every way, we are backward in comparison to all other communities. Now my submission is that as intellectuals. I feel shy about calling myself as intellectual, but since we have been using the terms this morning as educationist or as intellectuals or as simple teachers, we should impress upon the Government that a study should be conducted or should be authorised by

Marfat.com

them, we can make a study ourselves. I have made study of I.R.D.P. (Integrated Rural Development Programme) of Aligarh, I have given the report to the U.P.Government and then Mr.Anees Ansari, who has recently been posted. I was previously secretary in the U.P.Small Industries and I gave it to him. The proportion of beneficiaries in I.R.D.P. is less than one percent in Aligarh.

Now I gave this report to him and I said, when I finally will like because I would like to have said many things but I would like to conclude with one little thing with submission to the Vice-Chancellor, we can make a beginning which I suggested some time back by the adult education programme which we have here. The adult education department of our or the Centre of ours should start making studies in areas which are preferal to the University campus. Vice-Chancellor sb. suggested in one of the meetings that we should have studied in Zohrabagh or Bhamola or Jamalpur etc and where a large number of Muslims, illeterate people, rikshaw wala, bearers and their families live there, we should try to help them out in educational upliftment that can be a minor contribution of this community to the people who are living at the preference of this University but as a major contribution what we can do is that we can work we can carry out a major study on a countrywise basis, not a statewise or on districtwise basis. But on a countrywise basis to bring out the .... points about the plus & minus aspects of the Muslim Community. I remember Hyderabad sometimes back when there was no riot. Muslims economically were rising. Suddenly, you have spade of riots in Hyderabad and thier economic growth has come back. So the riots are connected to a number of socio-economic problems and they all required to be analysed.

ڈاکٹر کنورپال سنگھ

میں پریم چند کی بات سے شروع کرتا ہوں۔ انھوں نے کہا تھا ——— ۳۴ء میں انھوں نے ایک آرٹیکل لکھا کہ اپنی اپنی سامپردایکتا ہمیں بڑی اچھی لگتی ہے، اور دوسرے کی سامپردایکتا پر ہم Attack، کرتے ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ اسی طرح کی سنکرتا، اسی طرح کی سامپردایکتا پیدا ہوتی ہے، ہر سامپردایکتا سامپردایکتا ہوتی ہے، سنکرتا ہوتی ہے، بیکورڈنس ہوتی ہے کسی کی بھی، لیکن ہندستان کے بارے میں ایک اور ہے کہ کچھ لوگ اسے ایک نیشن سمجھتے ہیں، میری یہ رائے ہے کہ ایک نیشن نہیں ہے ڈیفرنٹ نیشنس کا ایک ملک ہے، جسمیں الگ جاتیوں کے لوگ، الگ الگ بھاشاؤں کے لوگ رہتے آئے ہیں اور انہیں اسی طرح سے सम्मान کے ساتھ Equality کے ساتھ رہنا چاہئے، یہ بات ہمیں واضح کرنی چاہئے، اسکو بہت کہنا چاہئے کہ Different Nationalities ہیں ہندستان میں۔ اور وہ Nationalities سبکو ایکوال رائٹس ایک ہے اور سبکی زبان ان کے Belief کا جبتک ہم یہ گیرنٹی نہیں دیں گے کہ پورا انہیں اختیار ہے، اپنی رائے رکھنے کا، اپنی زبان کا، اور اپنے خیالات کے اظہار کرنے کا تب تک ہندستان میں پروبلمس بہت زیادہ پھیلیں گی، اور یہ حل نہیں ہے کہ

Marfat.com

وہ ایک Nation ہوں۔ میں یہ نہیں مانتا ہوں، میں سمجھتا ہوں یہ بات ہمیں کہنی چاہیئے؛ جہاں تک، ان وچاروں کو اور دوسرے جو ہیں، اس لیے میں آپ سے عرض کر رہا ہوں کہ گری لال جین پر پتہ نہیں لوگ over sensitive ہیں لیکن اس بیچ میں चौथी दुनिया میں अमर उजाला میں जनसत्ता میں दिनमान میں रविवार میں नव भारत میں جسطرح کے اور سبھی ڈھنگ کے آرٹکل لکھے ہیں، Debate ہوئی ہے، ہم شاید اسے جانتے نہیں کیونکہ ہم Times of India پڑھتے ہیں اور اس لیے گری لال جین ایک ہیں۔ لیکن ہم لوگوں کے بارے میں جو آپ یہاں بیٹھ کر صرف یہ بات کر رہے ہیں، جو صحیح Dimention میں سوچ رہے ہیں آپ سے بہتر سوچ رہے ہیں۔ اور یہ بالکل صاف ہے مسلمانوں کی ٹھیکیداری چند لوگوں کے ہاتھ میں نہیں ہے یہ پورے تمام Right thinking لوگوں کے ہاتھ میں ہے کہ وہ سوچیں۔ میں تو دیکھتا ہوں کہ آٹھ سال سے لیکر چودہ سال تک کے بچے ہاتھ میں روٹی باندھے اپر کورٹ پر نوکری کرنے جاتے ہیں، ان میں بیشتر مسلمان بچے ہیں، اپر کورٹ میں ہم نے سروے کیا ہے، دس سے لیکر پندرہ پرسنٹ لوگوں کو T.B. ہے کیا ہماری یونیورسٹی نے یہ سروے کیا ہے کہ پڑوس میں جمال پور، زہرہ باغ وہاں کتنے جاہل ہیں ان پڑھ ہیں؛ سب سے زیادہ یونیورسٹی کے آس پاس ان پڑھ مسلمان ہیں۔ ان پر کبھی غور کیا ہم نے؛ ایران توران دنیا کی باتیں ہم کرتے ہیں، ہمیں ان کے ہت میں سوچنا چاہیئے اور جیسا کہ سرسید نے کہا تھا، پچھلے سال میں پڑھ رہا تھا ان کے ایجوکیشن پالیسی پر، تو انھوں نے کہا کہ جس طرح کے لوگ ہیں، ہمیں اسطرح کی انہیں تعلیم دینی چاہیئے؛ ہمیں جگہ جگہ جو Artisans ہیں تو Artisans کے اوپر انھیں تعلیم دینی چاہیئے، کئی معیار ہماری تعلیم کے ہونے چاہیئے مسلمانوں کے لیے، سرسید کی ۱۹۷۲ء کی ایجوکیشن پالیسی پر تھا وہ ڈاکومنٹ ہم لوگ پھر سے پڑھ لیں تو ہم کچھ کر سکتے ہیں۔

میں ایک بات پھر آپ سے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ کمیونل دنگوں پر ظاہر ہے کہ بہت بڑا مسئلہ ہے؛ جہاں آپ سائیکلوجیکل فیر میں رہتے ہیں ہمیشہ، وہاں صحیح سوچ نہیں ڈولپ ہو سکتا ہے؛ اور جیسے بھوکے آدمی سے دیش بھکتی کی بات نہیں کی جا سکتی ہے اسی طرح سے ڈرے ہوئے آدمی سے بھی دیش بھکتی کی بات نہیں کی جا سکتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ اس کا حل کیا اپنے آپ میں سکڑنا ہے یا ان تمام ہم خیال لوگوں سے مل کے اس ذہنیت سے لڑنا۔ بھئی آپ کے Country relation بہت بڑھے ہیں، بنگال کا آپ کوئی ذکر نہیں کرتے، جہاں گیارہ سال میں کمیونل دنگے نہیں ہوئے کیوں نہیں کرتے آپ' ... بنگال میں بتائیے ہندستان کے ہر اس میں وہ یہ ہے کہ بنگال میں مسلمانوں کی تعداد بہت ہے، کلکتہ جو دنگوں کے لیے اتنا مشہور تھا وہاں پچھلے دس سال

Marfat.com

سے دنگے نہیں ہوئے، ہوئے تو تین گھنٹوں میں انھوں نے ختم کر دیا، اسطرح نہیں کہ Continue ہو رہے ہیں مہینوں، تو آپ اس کا ذکر نہیں کرتے، بہت اچھی بات کہی لیکن P. A. C. کے خلاف جو سب سے بڑا Document دس سال پہلے ۸۷ء میں ہرکشن سنگھ سرجیت نے لکھا تھا، جو آج بھی بہت رلیونٹ ہے آپ اس کا ذکر کیوں نہیں کرتے۔ کیجئے جو لوگ ہیں کیونکہ آپ کے اپنے کنٹراڈکشن ہیں، ابھی پھر تھوڑے دن بعد رولنگ پارٹی کچھ کرے گی تو پھر ادھر چلے جائیے، آج آپ کی ناراضگی Emotional ہے وہ Real نہیں ہے، ہمیں خود پہچاننا چاہئے کون ہمارا دوست ہے کون ہمارا دشمن ہے، اور جب تک یہ نشاندہی آپ نہیں کریں گے، سمسیاؤں سے آپ دوچار نہیں ہو سکتے۔ ایموشنل معاملوں سے نہیں ہو سکتے۔

اور میں ایک بات اور عرض کرنا چاہتا ہوں، دینی تعلیم ضرور دیجئے لیکن ہمیں یہ لگتا ہے کہ ہمارے جتنے Well-to-do ادھیاپک ہیں، سب اپنے بچوں کو تو لیڈی فاطمہ میں پڑھاتے ہیں، ہر ایک، اور دینی تعلیم کس کو دیں، دینی مدرسوں میں اردو مدرسوں میں کون لوگ جاتے ہیں یہ بھی سوال ہے، ہم کیا ان لوگوں کو اونچا بڑھانا چاہتے ہیں انکی غربت دور کرنے کے لیے لڑائی لڑنا چاہتے ہیں، Survey ہوا، میں نے بھی تو Survey کیا ہم لوگوں نے۔ کہ یہاں جو مسلم Artisan ہیں، جو اسطرح کے چھوٹے موٹے کاموں میں Busy ہیں، وہ یہاں کے لوگ جو سود خور ہیں خاص طور سے ایک کمیونٹی کے بارے میں کہ ان لوگوں کے برابر وہ رہتے ہیں Exploited ہیں۔ کیا بڑی تعداد میں ہم نے ان کے لیے کچا مال، اسی لیے علیگڑھ میں بیٹھے ہیں، کچا مال فراہم کرنے کی جو ایسا ہے کہ وہ سرکار سے کنٹرول ریٹ پر لیتے ہیں اور انہیں پھر بڑے ریٹ پر بیچتے ہیں تو اس کا کیا ہم نے یہ کوشش کی، ہم نے آرٹکل ایک दिनमान میں لکھا تھا، اور چیزیں کرتے رہتے ہیں، لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم اپنے ہی چراغ تلے تو اندھیرا ہے اور دنیا کے پورے ملک کے مسلمانوں کے لیے ہم بات کرتے ہیں، پہلے یہاں پر تو کر کے دکھائیں۔ تجربے کر کے تو دکھائیں، اور ایک بات مجھے خاص طور سے عرض کرنی ہے کہ:

لیڈرشپ تو کسی کلاس کی ہوتی ہے، لیڈرشپ انجنیئر کی ہوگی، مزدوروں کی ہوگی انڈسٹریل ورکس کی ہوگی کسانوں میں ہوگی، مڈل کلاس میں ہوگی، یہاں ٹیچرس میں لیڈرشپ ہے، اب اپنے گریڈ کے لیے ہم لڑائی لڑ رہے ہیں تو کیا مسلم لیڈرس کو چھوڑے ہوئے ہیں۔ ہم تو سب سے مل کر ساتھ لڑ رہے ہیں۔ اسلیے لیڈرشپ اسکی نہیں ہو سکتی۔ لیڈرشپ پرابلم ہندستان کی Class-ridden سوسائٹی کی ہے، ان کی لیڈرشپ ہو سکتی ہے۔ الگ الگ لوگوں کی لیڈرشپ ہو سکتی ہے، ہمیں کوشش کرنی چاہیئے کہ — جہاں ہم کام کرتے ہیں مل جل کے رہیں تو،

Marfat.com

ہم سوچتے ہیں کہ ان کو بھی ہم صحیح کریں گے، ان سے سیکھیں گے اور انہیں ہم سکھائیں گے، آپ جانتے ہیں کہ جونیئر انجینئرس اور انجینئرس میں کئی ایسے مسلمان ہیں جو نیتا ہیں اور جنکی بڑی عزت ہے، اور وہ کمیونلزم کو ساتھ مل کر ہی دور کر سکتے ہیں، الگ الگ رہ کر نہیں دور کر سکتے۔ ان فورسیز کے ساتھ جبتک کمیونلزم سے مل کر نہیں لڑیں گے، تب تک ہمارے مسائل کا حل نہیں ہوسکتا۔ تو ظاہر ہے کہ رولنگ کلاس کا کیریکٹر ہے Devide & Rule بانٹ کے رکھو لوگوں کو تاکہ یہ مل کے اپنے اکانومک ادھیکاروں کے لیئے اپنے راجنتک ادھیکاروں کے لیئے یہ لڑائی مل کے نہ لڑیں، دوسری یہ کہ ان کا اسمیں ہت ہے اور اس Interest کو رولنگ کلاس کے ہم پہچان لیں گے، تو شاید ہمیں ان سے شکایت کا موقع نہیں رہے۔

ڈاکٹر علی محمد

جیسا کہ پروفیسر کے۔ پی۔ سنگھ اور کشور صاحبہ نے کہا کہ سروے ہونا بہت ضروری ہے، اور مائیکرو لیول پر کیونکہ ہندستان میں مسلمان جس کی لیڈرشپ کی لوگ ڈیمانڈ کر رہے ہیں ایک لیڈر سے یا ایک پروبلم کو Solve کرنے والا، ایک لیڈر نہیں چاہیئے، مسلمان ہر کونے میں ہیں ان کی طرح طرح کی بات ہے جو کہ علیگڑھ میں ہے وہ کانپور میں نہیں ہے جو کانپور میں ہے وہ الہ آباد میں نہیں ہے، اس کے لیے مائیکرو لیول کا سروے پلان ہم لوگ کریں اور اس سروے کا رزلٹ ہم لوگ کمیونیکیٹ کریں جو ڈیفرنٹ Agencies ہیں گورنمنٹ کے پاس جنکی تعداد اٹھارہ اور انیس ہے، گاؤں گاؤں کی ترقی کے لیے اور ڈیفرنٹ انڈسٹریل Establishment کے لیئے تو اس سروے سے ہمیں اچھا نتیجہ نکل سکتا ہے؛ ابھی بھی ہم لوگوں نے Recently ایک سروے کیا ساڑھے سترہ ہزار آبادی کا علیگڑھ یونیورسٹی کے پیریفرل ایریا میں جو کہ چار کیلومیٹر کی ایریا میں جو آبادی ہے چودہ Localities نام ہیں جن کے دو سروے ہوا ان سے پتہ چلا جس کے رائٹرس میں بھی Involve تھا۔ چھبیس کی رپورٹ تیار ہوئی، اس میں یہ ثابت ہوا کہ Socio-Economic کنڈیشن مسلمانوں کی ہندوؤں کے مقابلے میں کیسی ہے، مسلمانوں کے شیڈول کاسٹ کے مقابلے میں کیسی ہے، اور مسلمانوں کی تعلیمی حالت شیڈول کاسٹ اور ہندوؤں کے مقابلے میں کیسی ہے، مسلمان عورتوں کی تعلیم اور مسلمان مردوں کی تعلیم میل شیڈولڈ کاسٹ میل اور شیڈولڈ کاسٹ فیمیل کے مقابلے میں کیسی ہے یہ پتہ چلا کہ As a whole مسلمانوں کی تعلیم بہت زیادہ کم ہے ہندوؤں کے مقابلے میں، اور مسلمانوں کی As a whole تعلیم Including male & female شیڈول کاسٹ سے بھی بہت کم ہے، اور مسلمان فیمیل کے ایجوکیشن شیڈولڈ کاسٹ سے بھی بہت کم ہے، اور مسلمان

Marfat.com

فیمیل کے ایجوکیشن سٹنڈرڈ ولڈ کاسٹ کی عورتوں کے، مقابلے میں بھی بہت کم ہے لیکن یہ جو ہم لوگ لسٹ بنائے ہوئے ہیں کہ علیگڑھ یونیورسٹی اور بہت سے اسکول جو علیگڑھ یونیورسٹی کے چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں جن سے اُمید کی جاتی ہے کہ مسلمانوں کا مقصد، مسلمانوں کے پرابلمس Solve کرنے کے لیے ہے، ان میں مسلمان ٹیچرس کی تعداد، مسلمان لڑکوں کی تعداد بہت زیادہ ہے، اور امید ہے کہ زیادہ تر مسلمانوں کو ہی فائدہ ہوتا ہوگا" لیکن یہ ثابت ہوا کہ ایسی جگہ پر جہاں مسلم مسائل کو حل کرنے کے لیے Basically institutions ہیں تو وہ حل اتنا نہیں کر پا رہے ہیں تو اور جگہوں کی کیا حالت ہوگی، جہاں کے مسلمان کافی ہیں۔ اسطرح کا Survey مائیکرو لیول کا کنٹری کے ہر کونے میں ہونا چاہیئے۔

ڈاکٹر مقبول احمد:۔

میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کی تعلیم کے بارے میں اس وقت، جتنا بھی کچھ کہا جائے وہ کم ہے لیکن بنیادی طور پر مسلمانوں کی تعلیم، میں سمجھتا ہوں کہ ایک ایسے دور سے گذر رہی ہے کہ جس کا حل یہاں، خاص طور سے نارتھ انڈیا میں بہت مشکل نظر آتا ہے۔ اس لئے کہ میں نورتھ انڈیا، ساؤتھ انڈیا کی تعلیم کا جہاں تک مسئلہ ہے کیونکہ میں خود، مہاراشٹر سے میرا بہت گہرا تعلق ہے، بمبئی وغیرہ سے تو میں جانتا ہوں کہ وہاں مسلمان کس طرح سے تعلیم کے سلسلے میں کام کر رہے ہیں، اور یہاں کس طرح سے مسلمان تعلیم کے سلسلے میں کام کر رہے ہیں۔ یہاں عام طور سے تعلیمی مسائل پر ایجوکیشنل کانفرنس وغیرہ ہوتی ہے یہاں، اور گفتگو کر کے لوگ اپنے اپنے گھر چلے جاتے ہیں۔ ہوتا یہ چاہیئے کہ تعلیمی مسائل کے ساتھ جیسا کہ ابھی آپ نے یہ فرمایا علی محمد صاحب نے کہ سروے کیا جائے، اس کے بعد Positive action لیا جائے، ایک بہت ہی میں سمجھتا ہوں اہم مسئلہ، یہ ہے کہ برسوں سے یعنی سنہ ۷۴ء سے سنہ ۷۶ء تک میں یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کا ممبر تھا، وہاں اس مسئلے پر گفتگو ہو رہی تھی کہ کس طرح ڈگریز کو جوب سے Delink کیا جائے، اور آج تک میں سمجھتا ہوں، جہاں تک مجھے معلومات ہے، میں چند مہینے باہر تھا، کوئی اس سلسلے میں فیصلہ نہیں ہوا ہے، ہماری یونیورسٹیوں کی جو تعلیم ہے وہ ایک ایسا Blind بن گئی ہے، کہ یہاں ڈپلوما کی بھی تعلیم دی جاتی ہے، ٹایپنگ کی، یہاں ہر طرح کے ڈپلوما سرٹیفکیٹ دیئے جاتے ہیں۔ ڈپلوما کے Certificates دیئے جاتے ہیں، اور یہاں پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری بھی دی جاتی ہے۔

Marfat.com

اور یہاں ڈی لٹ بھی دی جاتی ہے۔ مطلب یہ کہ لڑکا جب داخل ہوتا ہے یونیورسٹی میں ہائی اسکول کرنے کے بعد تو پھر وہ پی۔ ایچ۔ ڈی کر کے نکلتا ہے، اور پی۔ ایچ۔ ڈی کی طرف وہ دیکھتا ہے، اور، اس کے بیچ میں کوئی ایسا راستہ نہیں ہے کہ جس سے وہ نکل کے

اور دنیا کے کچھ کاروبار کر سکیں۔ اور ملکوں میں تعلیم کا جو سلسلہ ہے آپ بھی واقف ہوں گے، بہت سے احباب واقف ہوں گے، کہ انٹرمیڈیٹ لیول تک یعنی بارہویں کلاس تک تعلیم یونیورسٹی کے باہر ہوتی ہے، جیسے انگلینڈ میں اے لیول ہوتا ہے، بارہویں کلاس، اس کے بعد پھر اگر کوئی بچہ اس لائق ہوتا ہے تو اس کے ٹیچرس۔ کالج ٹیچر، یا اسکول ٹیچر، ایڈوائس کرتے ہیں کہ اس کو یونیورسٹی میں بھیجا جائے اگر وہ Talents اس میں موجود ہیں، اور اگر وہ Talents موجود نہیں ہیں، کسی اور فن میں کسی اور Profession میں وہ اگر جانا چاہتا ہے تو بارہویں کلاس تک اے لیول کی تعلیم ایک General Education THOROUGH اس کا ہو جاتا ہے اور اس کے بعد وہ جس Profession میں جانا چاہے، دو سال یا تین سال کیلئے وہ جا سکتا ہے، یہ تعلیم کا سلسلہ تو ایسا ہے کہ جس کو ہم علیگڑھ میں توڑ سکتے ہیں اگر چاہیں، اور ایک ایسی بنیاد ڈال سکتے ہیں، ٹیکنیکل کالجز کی سائنس Colleges کی یا سائنس اسکول کی، ہائی اسکول کی جیسا سید حامد صاحب نے فرمایا کہ بہت ضرورت ہے اس وقت کہ ٹیکنیکل Colleges مسلمان بنائیں اور مسلمان بچوں کو اس میں تعلیم دی جائے۔ اور گیارہویں بارہویں تک وہ تعلیم اس میں حاصل کریں۔ اور اگر وہ اس قابل ہیں کہ یونیورسٹی میں جانا چاہتے ہیں ________ تو انکو یونیورسٹی میں بھیجا جائے۔

ایک مسئلہ جس کی طرف حامد صاحب نے اشارہ کیا گیا، مجھے اس سے اتفاق نہیں ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان بچے عام طور سے، ماں باپ ان کے بچوں کو بٹھا دیتے ہیں، جو Dropouts ہو جاتے ہیں، آٹھویں نویں کلاس کے بعد وہ تھک جاتے ہیں۔ یہ مسئلہ صرف مسلمان بچوں کا نہیں ہے۔ یہ کئی مرتبہ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن میں بھی یہ Discuss ہوا ہے۔ کہ Dropouts آخر کیوں ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ کہ صرف یہ کہ مسلمان اور ہندوؤں تک محدود نہیں ہے بلکہ سارے ہندستانیوں کی تعلیم تک محدود ہے۔ اس لیے کہ ایک اقتصادی مسئلہ ہے، گاؤں کا ایک کسان وہ نہیں چاہتا ہے کہ بچے کو چھ سال آٹھ سال اسکول کرنے کے بعد پھر اس کو یونیورسٹی بھیجیں، وہ چاہتا ہے کہ جلد سے جلد بچہ دو سال میں تین سال میں ڈپلوما ان ٹیکنیکل ایجوکیشن حاصل کرلے۔ ایک مزدور ہے معمولی شہر کا جیسے علی گڑھ کا مزدور، وہ نہیں چاہتا کہ اس کا بچہ بی۔ اے کرے، بی۔ ایس۔ سی کرے اور اس کے بعد وہ پی۔ ایچ۔ ڈی کرے۔

Marfat.com

وہ یہ چاہتا ہے کہ وہ یہ تعلیم جلد سے جلد حاصل کرے اور پیسہ کمانے کے لائق ہو جائے۔ اس لیے کہ اس کے ساتھ ایک اقتصادی مسئلہ ہے۔ اور خاندان میں وہ شیئر کرے اس کے جو اقتصادی معاملات ہیں اخراجات کی اُس کو وہ Share کریں۔ تو بہت بڑا مسئلہ ہے جو سارے ملک کی تمام قوموں کے سامنے ہے، صرف مسلمانوں ہی کے سامنے یہ مسئلہ نہیں ہے۔ یہ مسئلہ اسی وقت دور ہو سکتا ہے کہ ہم بحیثیت مسلمانوں کے اگر آپ سوچنا چاہتے ہیں تو سوچیے ضرور لیکن مجموعی طور پر، مسلمان ہوں یا ہندو ہوں ہم اس طرف اپنا قدم اٹھائیں کہ جیسا کہ سید حامد صاحب نے فرمایا، سب سے پہلا Positive کام یہ ہے کہ ہم ٹیکنیکل کالجز اور سائنس کالجز انٹرمیڈیٹ لیول تک قائم کریں تاکہ یہ بچے ہائر ایجوکیشن حاصل کرنا نہیں چاہتے ہیں۔ یونیورسٹی میں نہیں جانا چاہتے ہیں، وہ ان کالجز میں جیسے I.I.Ts ہوتے ہیں، وہاں جا کر ایک سال میں سرٹیفکیٹ یا دو سال میں ڈپلوما لیں، اور اس کے بعد فوراً وہ کسی فرم میں کسی دھندے میں وہ لگ جائیں کسی پیشے میں۔ مسلمانوں کا جہاں تک تعلق ہے میں سمجھتا ہوں کہ دو طرفہ پالیسی ہونی چاہئے، ایک تو یہ کہ سب سے پہلے ٹیکنیکل کالجز؛ میں جانتا ہوں کہ مہاراشٹر میں اور بمبئی میں مسلمانوں کے بے انتہا ادارے ہیں اور ٹیکنیکل کالجز ہیں، جہاں مسلمانوں کے بچے تعلیم حاصل کرتے ہیں اور دو تین سال کے بعد ڈپلوما لے کر وہ اپنے کسی نہ کسی کارخانے میں اپنے کسی فیکٹری میں ملازم ہو جاتے ہیں۔ اس طرح کے یہاں میں سمجھتا ہوں کہ ویسٹرن یو۔پی میں اس مقدار میں کالجز نہیں ہیں؛ ———————— اور اس کے بنانے میں بھی کافی وقت لگتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہاں جو سوشل سروس کا ایک جذبہ ہوتا ہے وہ ویسٹرن یو پی میں مسلمانوں میں بہت کم ہے۔ یہ میرا اپنا ذاتی تجربہ بھی ہے اور میں اسکو مقابلہ بھی کرتا رہتا ہوں بمبئی کے مسلمانوں سے، جہاں کہ سوشل سروس بہت اہم چیز مانی جاتی ہے۔ مثلاً یہاں اگر کوئی فقیر مسلمان یا غریب مسلمان مر جائے تو اس کے کفن کے لیے یہاں چندہ کرنا پڑتا ہے، یہاں کوئی ایسی انجمن نہیں ہے، کوئی ایسا ادارہ نہیں ہے کہ جو غریب مسلمان بیکار ہو جاتے ہیں یا جو مر د سڑک پر مر جاتا ہے، اس کی تیمارداری کے لیے، اس کی بیماری کے لیے چندہ جا کے آپ کہیں کسی سے مانگ سکیں، کسی انجمن سے مانگ سکیں۔ ایسا بھی یہاں کوئی ادارہ نہیں ہے کہ جو کوئی غریب مسلمان ہے کہ جو چاہتا ہے بزنس کرنا یا جس کا بزنس ختم ہو چکا ہے، یا وہ اپنی دکان لگانا چاہتا ہے، اس کو وہ انجمن کوئی روپیہ دے سکے۔ بمبئی میں بیسوں ایسی انجمنیں ہیں، کہ جب مسلمان اگر کوئی تاجر غریب ہو جاتا ہے، یا وہ کوئی دکان لگانا چاہتا ہے۔ تو اس کی مدد کی جاتی ہے۔